

تذکرہ قرآن

۴۲
الشوریٰ



۱۔ سورہ کا عمود اور زمانہ نزول

اس سورہ کا بھی مرکزی مضمون توحید ہی ہے۔ اسی کے تحت قیامت سے بھی ڈرایا گیا ہے اس لیے کہ توحید کی اصلی اہمیت اسی وقت سامنے آتی ہے جب اس بات پر ایمان ہو کہ انصاف کا ایک دن لازماً آنے والا ہے اور اس دن ہر شخص کو سابقہ اللہ واحد و تھا رہی سے پیش آئے گا، کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ اس کی پکڑ سے کسی کو بچا سکے یا اس کے اذن کے بغیر اس کے سامنے زبان بلا سکے۔

استدلال کی بنیاد اس میں دعوتِ انبیاء کی تاریخ پر ہے کہ آدمؑ و نوحؑ سے لے کر اب تک تمام انبیاء نے اسی دینِ توحید کی دعوت دی اور ان کو بھی اللہ نے اسی طرح وحی کے ذریعہ سے تعلیم دی جس طرح یہ قرآن وحی کیا جا رہا ہے مختلف مخلوقوں نے دین کے معاملہ میں جو اختلاف کیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کے رسولوں نے الگ الگ دینوں کی تعلیم دی بلکہ اس کی وجہ صرف باہمی عداوت و رقابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علم آجانے کے باوجود مختلف گروہوں نے اپنی ضد و راہی برتری قائم رکھنے کے زعم میں حق سے اختلاف کیا اور اس طرح لوگ مختلف گروہوں اور مخلوقوں میں بٹتے گئے۔ یہ قرآن اسی اختلاف کو مٹانے کے لیے ایک میزانِ حق بن کر نازل ہوا ہے۔ اگر لوگ اس میزان کے فیصلہ کو قبول نہیں کریں گے تو اب قیامت کی میزانِ عدل لوگوں کا فیصلہ کرے گی۔

سورہ کے مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کئی دور کے آخر میں، ہجرت سے متصل زمانے میں نازل ہوئی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قریش کے لیڈروں کو اس میں جو خطاب ہے اس کی نوعیت و داعی خطاب کی ہے، گویا ان سے متعلق پیغمبر کی جو ذمہ داری تھی وہ پوری ہو گئی، اب ذمہ داری لوگوں کی اپنی ہے۔ اگر انھوں نے یہ ذمہ داری اب بھی محسوس نہ کی تو اس کے نتائج کے لیے تیار رہیں۔ اسی طرح مسلمانوں سے متعلق اس میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں ان سے مترشح ہوتا ہے کہ اب وہ ایک ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں جس میں ان کو ایک بیہیتِ اجتماعی کی شکل میں اپنے فرائض ادا کرنے ہیں جس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے انھیں تیار رہنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں بار بار یہ تسلی دی گئی ہے کہ تمہاری ذمہ داری لوگوں کو واضح طور پر بتی پہنچا دینے کی تھی وہ تم نے پوری کر دی۔ لوگوں کے دلوں میں ایمان آتا رہتا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ اب ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو۔ اسی ضمن میں بعض اعتراضات کے جواب بھی دیے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مخالفین کی طرف سے کیے گئے۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۱۰) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ جس دین تو حید کی روح اللہ نے تم پر لپی ہے اسی دین کی روح اس نے تم سے پہلے آنے والے رسولوں پر بھی کی اور وحی کا طرہیت بھی وہی ہے جو اس سے پہلے اختیار کیا گیا۔ اللہ کی ذات بہت بلند اور عظیم ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ آسمان اس کا خلیق ہے۔ پھٹا جا رہا ہے اور فرشتے برابر اس کی تسبیح اور اہل زمین کے لیے استغفار میں سرگرم ہیں جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں اللہ ان کو دیکھ رہا ہے۔ ان کے ایمان کی ذمہ داری تمہارے اوپر نہیں ہے۔ اللہ نے جو عربی قرآن تم پر اتارا ہے اس کے ذریعہ سے اہل مکہ اور اس کے اطراف کے لوگوں کو اس دن سے آگاہ کر دو جس دن وہ سب کو اکٹھا کرے گا اور پھر ایمان لانے والوں کو جنت میں اور کفر کرنے والوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے رہے ہیں تو اس کی ذمہ داری تمہارے اوپر نہیں ہے۔ ہدایت و ضلالت کے باب میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہے وہ تبدیل نہیں ہو سکتی۔ ہدایت وہی پائیں گے جو اس کے سزاوار ٹھہریں گے۔

(۱۱-۲۰) آسمان و زمین کا خالق خدا ہی ہے، ان کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اولاد اور رزق خدا ہی بخشتا ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی دین تو حید کی تعلیم تمام نبیوں نے دی اور اسی پر قائم رہنے اور اس میں اختلاف نہ پیدا کرنے کی انھوں نے برابر تلقین کی۔ جن لوگوں نے اس میں اختلاف پیدا کیا انھوں نے خدا کی طرف سے صحیح علم جاننے کے بعد محض باہمی عناد اور تعصب کے سبب سے پیدا کیا۔ اگر اللہ نے اس جھگڑے کے فیصلہ کے لیے ایک وقت نہ مقرر کر لیا ہوتا تو ان کا فیصلہ خورا کر دیا جاتا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ تم اسی دین انبیاء کی دعوت دو اور اسی پر جمے رہو اور لوگوں کو آگاہ کر دو کہ اللہ نے جو کتاب میزان عدل بنا کر اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے یہ ہدایت ہوئی ہے کہ اسی میزان عدل کے ذریعہ سے تمہارے درمیان فیصلہ کروں۔ جو لوگ اس کے بعد بھی تم سے جھگڑیں ان کے لیے عذاب شدید ہے۔ انھیں متذکرہ دو کہ قیامت کو بہت دور نہ سمجھیں۔ اللہ نے جو مہلت بخنچی ہے اس سے فائدہ اٹھالیں ورنہ یاد رکھیں کہ اللہ نہایت مہربان بھی ہے اور نہایت منتقم وقتہار بھی۔ اگر وہ لوگوں کو، ان کے ظالمین و فساد کے باوجود مہلت دیتا ہے تو انہی سنت کے مطابق دیتا ہے۔ اس مہلت کے بعد وہ ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کا وہ مستحق ہوگا۔

(۲۱-۲۶) اگر انھوں نے کچھ شرکار ایجاد کیے ہیں جنہوں نے اللہ کے رسولوں کے لئے ہوشی دین سے کوئی الگ دین ان کے لیے ایجاد کیا ہے تو یہ دین اور ان کے یہ شرکاء قیامت کے دن کچھ بھی ان کے کام آنے والے نہیں بنیں گے۔ اس دن مشرکین اپنے انجام پر اپنے سر پٹیں گے۔ اس دن کی کامیابی صرف ایمان اور عمل صالح والوں کے لیے ہوگی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ ان لوگوں کو تباہ کر دو کہ میں تمہاری ہدایت کے لیے جو آئنا فکر مند ہوں تو اس لیے نہیں کیے تم سے کسی صلہ کا طالب ہوں بلکہ یہ محض حق قرابت ہے جو تمہارے لیے مجھے بے چین کیے ہوئے ہے۔ اگر تم ایمان لاؤ گے

تو اس کا صلہ تم خود پاؤ گے۔ اگر یہ لوگ تمہارے، دینی کو اذیت دیتے ہیں تو تمہارے اطمینان کے لیے یہ چیزیں ہیں کہ تم جانتے ہو کہ یہ شہرہ فیض تمہارے اندر خدا نے جاری کیا ہے؛ اگر وہ چاہے تو ابھی اس کو بند کر دے، پھر تم کسی طرح بھی اس کو جاری نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں دیکھنے کی چیز اس کے اثرات، اور اس کی برکات ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے باطل کو مٹا اور حق کو سر بلند کر رہا ہے۔ یہ لوگ جو کچھ بھی کہیں اس کی پروا نہ کر دے جن کے اندر صلاحیت ہے وہ اس کو لٹیک کہہ رہے ہیں۔ تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے۔

(۲۶-۲۷) اگر یہ لوگ اپنی دنیوی برتری کو اپنے برحق ہونے کی دلیل بنا لیں بیٹھے ہیں تو ان کو بتا دو کہ آخرت کی نعمتوں کے مقابل میں اس دنیا کی بڑی سے بڑی دولت کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو شیطان کے فتنوں سے بچانا چاہا اس وجہ سے دنیا کے طالبوں کو بھی اتنا ہی دیتا ہے جتنا اس کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے ورنہ وہ ان کو پوری ڈھیل دے دیتا کہ وہ اس دنیا میں سے جتنا چاہیں اپنے دامن بھر لیں۔ اللہ کی ڈھیل سے کسی کو غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ہر چیز اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ جب چاہے لوگوں کو پکڑ سکتا ہے لیکن وہ لوگوں کی ناشکری اور ان کے طغیان کے باوجود ان سے درگزر کرتا ہے۔ انسان کی روزمرہ کی زندگی میں جو تجربات و مشاہدات ہوتے رہتے ہیں اگر کوئی دیدہ بینا رکھتا ہو تو انہی کے اندر دیکھ سکتا ہے کہ انسان ہر وقت خدا کی مٹھی میں ہے۔ اگر خدا حفاظت نہ کرے تو انسان کے تمام وسائل اس کی حفاظت سے قاصر ہیں۔ کافروں کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ عارضی دفاعی ہے۔ خدا کے ہاں ابدی بادشاہی ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو ایمان لائیں گے اور خدا پر بھروسہ رکھیں گے۔

(۳۳-۳۴) اہل ایمان کی حقیقی صفات کا بیان اور ان کو چند خاص ہدایات جو موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات میں ان کی رہنمائی اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری تھیں۔ قرینہ دلیل ہے کہ اس دور میں کفار کی تعدد یاں بھی بہت بڑھ گئی تھیں اور مسلمان بھی ایک جماعت، اور تنظیم کی شکل اختیار کر رہے تھے اس وجہ سے ان کو ضروری ہدایات سے آگاہ کر دیا گیا تاکہ اس نازک دور میں ان کا کوئی قدم غلط نہ اٹھ جائے۔

(۴۳-۵۲) خانہ سورہ جس میں پہلے مخالفین کو تنبیہ ہے۔ اس کے بعد ان کو دعوت ہے کہ اب بھی متنع ہے کہ پیغمبر کی دعوت قبول کر کے اپنی عاقبت سنوار لو۔ اگر یہ وقت نکل گیا تو پھر یہ کبھی واپس آنے والا نہیں ہے۔ اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین صبر ہے کہ اگر یہ لوگ تمہاری بات نہیں سن رہے ہیں تو ان کا چھپا چھوڑو، تمہارے اوپر جو ذمہ داری تھی وہ تم نے ادا کر دی، ان کے دلوں میں ایمان آنا دینا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ انسان کی تنگ نظری کا حال یہی ہے۔ اگر اللہ اس کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے تو اتراتا اور اڑھاتا ہے اور اگر اس کے اعمال کی پاداش میں اس کو کوئی مصیبت پیش آجائے تو مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے۔ ان لوگوں کو اپنے مزعوم شریکوں پر بڑا نارہے لیں اور ان کی شریک نہیں

ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے غرور کے سبب سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ خدا ان سے گُرو درُرد ہو کر بات کرے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے بات کرتا ہے صرف وحی کے ذریعہ ہی سے کرتا ہے اور اس کے خاص طریقے ہیں۔ اسی طرح کی وحی اس نے تم پر بھی کی ہے اور یہ تم پر اور تمہارے واسطہ سے لوگوں پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے تم کتاب سے آشنا تھے اور نہ ایمان کی تفسیلاً اور اس کے مطالبات سے۔

سُورَةُ الشُّورَى (٢٢)

مَكِّيَّةٌ ————— آيات : ٥٣

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ ① عَسَقٌ ② كَذَلِكَ يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ
 قَبْلِكَ ③ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ④ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا
 فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ⑤ تَكَادُ السَّمَوَاتُ تَتَفَطَّرَنَ
 مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ
 لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ⑥ الْآنَ اللَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ⑦ وَالَّذِينَ
 اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِيفٌ عَلَيْهِمْ ⑧ وَمَا
 أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ⑨ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا
 عَرَبِيًّا لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ
 لَا رَيْبَ فِيهِ فِرْقَانِ فِي الْجَنَّةِ وَفِرْقَانِ فِي السَّعِيرِ ⑩ وَلَوْ
 شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ
 يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وِليٍّ وَلَا نَصِيرٍ ⑪
 أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي
 الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑫ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ

مِنْ شَرِّ فَعُكِمَهُ إِلَى اللَّهِ ذِكْمُ اللَّهِ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَأَيْهِ أُنِيبُ ⑩

یہ حتم۔ عسقی ہے۔ اسی طرح خدائے عزیز و حکیم وحی کرتا ہے تمہاری طرف
اور اسی طرح وہ وحی کرتا رہا ہے ان کی طرف جو تم سے پہلے گزرے۔ اسی کا ہے
جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ بڑی ہی بلند اور عظیم ہستی ہے۔ قریب
ہے کہ آسمان اپنے اوپر مہ بھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی
سبح اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ آگاہ کہ بخشنے والا اور رحم
کرنے والا اللہ ہی ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں اللہ
ان پر نگرانی رکھے ہوئے ہے اور تم ان پر دروغ نہیں مقرر کیے گئے ہو۔ ۱-۶

اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف ایک عربی قرآن وحی کیا ہے تاکہ تم اہل مکہ اور
اس کے گرد و پیش والوں کو آگاہ کر دو اور اس دن سے ڈرا دو جو سب کے اکٹھے کرنے
کا دن ہو گا جس کے آنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اس دن ایک گروہ جنت
میں داخل ہو گا اور ایک گروہ دوزخ میں۔ ۷

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ داخل کرتا ہے
اپنی رحمت میں جس کو چاہتا ہے اور جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں نہ ان کا
کوئی کارساز ہو گا اور نہ مددگار۔ کیا ان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے
ہیں تو یاد رکھیں کہ کارساز اللہ ہی ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر
قادر ہے اور جس کسی چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا ہے تو اس کا فیصلہ اللہ کے

ترجیحات
۱۰-۱

حوالہ ہے۔ وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ ۸-۱۰

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

ختم ۵ عَسَقَ (۱-۲)

یہ اس سورہ کا قرآنی نام ہے۔ یاد ہو گا، پچھلی دو سورتوں کا نام بھی 'ختم' ہی ہے۔ یہاں اس پر 'عَسَقَ' کا اضافہ ہے۔ ناموں کا اشتراک عمرو کی وحدت پر دلیل ہے اور یہ اضافہ اس بات کا قریب ہے کہ اس سورہ میں کچھ خاص مطالب بھی ہیں جو پچھلی دونوں سورتوں میں نہیں ہیں چنانچہ مطالب کے تجزیہ پر ایک نظر ڈال کر ان خاص مطالب کو الگ کیا جاسکتا ہے۔

كَذٰلِكَ يُؤَيِّدُ الْبَيْتَ الَّذِي فِي الْاٰيٰتِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۗ وَاللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۳)

'كَذٰلِكَ' کا اشارہ ان مطالب کی طرف ہے جو اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں۔ ان مطالب کا ایک اجمالی تصور اس سورہ کے نام نے دے دیا ہے اس وجہ سے 'كَذٰلِكَ' کے ذریعہ سے ان کی طرف اشارہ بالکل مزوں ہے یعنی اس نام سے موسم سورہ میں جو باتیں وحی کی جا رہی ہیں یہ جس طرح تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہیں اسی طرح تم سے پہلے آنے والے نبیوں کو بھی وحی کی جا چکی ہیں۔ ادائے مطلب میں بتقاضائے بلاغت ایجاز ہے۔ پوری بات گویا لیں ہے کہ اس طرح اللہ تم پر وحی کر رہا ہے اور اسی طرح اس نے ان نبیوں پر بھی وحی کی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس قسم کے ایجاز کی متعدد مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں اور آگے بھی آئیں گی۔

'كَذٰلِكَ' وحدت مدعا کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے اور طریقہ وحی کی یکسانی کی طرف بھی یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو تعلیم بھی انہی باتوں کی دی جن کی تعلیم تم کو دی جا رہی ہے اور اس تعلیم کے لیے طریقہ بھی وہی اختیار فرمایا جو تمہارے لیے اختیار فرمایا اس وجہ سے کسی پہلو سے بھی قرآن میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لوگوں کے لیے باعث وحشت ہو۔ اگر یہ اس سے وحشت زدہ ہو رہے ہیں تو یہ ان کی اپنی طبیعت کا فساد ہے۔

وحدت مدعا کی طرف آگے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔

وحدت مدعا کی

طرف اشارہ

خَرَجَ كُمْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ مَا دَشَىٰ
نہارے لیے اس نے اسی دین کو مقرر کیا جس کی تعلیم
بِهِ نُوْحًا قَالَتِيْذًا اَوْحَيْنَا
روح کو وہی اور اسی کی وحی ہم نے تم کو کی اور جس کی تلقین

رَأَيْدَكَ وَمَا دَعَيْنَا بِهٖ اِبْرٰهِيْمَ
 وَمُوسٰى وَعِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ
 وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ كَبُرَ عَلٰى الشُّرِكِيْنَ
 مَا تَدْعُوهُمْ اِلَيْهِ ط..... (۱۳)

ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو
 بھی کہہ کر اللہ کے دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف
 نہ برپا کرو۔ مشرکین پر وہ چیز شاق، گزر رہی ہے جس
 کی تم دعوت دے رہے ہو۔

اس سے مسلم ہوا کہ جس اسلام اور جس دین تو حید کی دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اسی
 کی دعوت پر تمام انبیاء علیہم السلام مامور ہوئے لیکن مشرکین نے جو دین شرک ایجاد کیا اس کی عبثیت کے
 جوش میں اس دین حق کے مخالف بن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی قسم کی عبثیت کے جنون میں اہل کتاب
 بھی مبتلا ہو گئے۔

طریقہ کی یکسانی کی طرف آگے اس سورہ میں اس طرح اشارہ فرمایا ہے۔

طریقہ کی یکسانی

وَمَا كَانَتْ بَدِشْرًا اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا
 وَحِيًا اَوْ مِنْ وَّلٰٓئِيْ حِجَابٍ اَوْ
 يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُؤْتِيْهِ مَا
 يَشَاءُ ط اِنَّهٗ عَلٰى حَكِيْمٍ مَّكَذِبٰك
 اَوْحِيْنَا اِلَيْكَ مُعَا مِّنْ اٰمُوْنَا
 مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ
 وَلَا الْاِيْمٰنُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ
 نُوْرًا نُّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ
 مِنْ عِبَادِنَا (۵۱-۵۲)

اور کسی بشر کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے بات
 کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی لوث سے
 یا بھیجے اپنا کوئی نرشتہ پس وہ وحی کر دے اس کے
 اذن سے جو وہ چاہے۔ بے شک وہ بڑا ہی بلند اور
 حکیم ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف بھی وحی کی
 ایک روح کی اپنے ام میں سے تم ز کتاب سے آشنا
 تھے اور نہ ایمان سے لیکن ہم نے اس کو ایک نور بنایا
 جس سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے
 جس کو چاہتے ہیں۔

کی طرف اشارہ

اس سے واضح ہوا کہ آج جو لوگ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ اگر خدا پیغمبر سے کلام کرتا ہے تو ان سے
 بھی کلام کرے یا وہ اس طرح نمودار ہو کہ وہ اس کو دیکھیں اور اس کا کلام سنیں، یہ محض ان کی خود سری
 اور بددماغی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح نہ کسی سے بات کرتا اور نہ اس طرح جلوہ نمائی کرنا اس کی شان ہے،
 بلکہ ہمیشہ سے اس کا طریقہ یہ رہا کہ اس نے اپنے جن بندوں کو نبوت کے کارِ خاص کے لیے منتخب فرمایا ان
 سے وحی کے ذریعہ سے بات کی اور اس وحی کا ایک خاص ضابطہ ہے۔

آنحضرت مسلم کے
 یزید تلی اور
 مخالفین پر
 ائمہ حجت

اس بات کے کہنے سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا بھی ہے اور مخالفین پر تمام حجت
 بھی۔ ظاہر ہے کہ جب آپ اسی دین حق کی دعوت دے رہے ہیں جس کی دعوت تمام نبیوں اور رسولوں نے
 دی تو آپ کوئی ایسی بات نہیں پیش کر رہے ہیں جس سے لوگ وحشت زدہ ہوں۔ جو لوگ، اس سے
 وحشت زدہ ہیں وہ تمام نبیوں کی دعوت کے مخالف اور تعصب و عناد میں مبتلا ہیں۔ علیٰ ہذا النقیل اگر آپ

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کرا سکتے یا اس کو کلام کرتے دوسروں کو سنا نہیں سکتے تو یہ چیز بھی آپ کی
نبوت، کاکوئی نقص نہیں۔ آپ اللہ کی وحی پیش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس سے بھی بات کرتا ہے وحی
کے ذریعہ ہی سے کرتا ہے۔ اس سے زیادہ وہ کسی کو بھی نہیں نوازتا۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے 'عزیز و عظیم' کا حوالہ یہاں تسلی کے مضمون سے بھی تعلق رکھتا ہے
اور تہدید کے مضمون سے بھی۔ جب اللہ تعالیٰ 'عزیز' ہے تو وہ گردن کشوں کو جب چاہے دبا سکتا ہے۔
اگر وہ فوراً نہیں دباتا تو وہ اپنی حکمت کے تحت ان کو مہلت دے رہا ہے اس وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو
اپنے رب 'عزیز و عظیم' پر بھروسہ رکھنا اور ان لوگوں کا معاملہ اسی کے حوالہ کرنا چاہیے۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (ذُوْهُ وَالْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ) (۴)

یہ اللہ تعالیٰ کی صفت 'عزیز' کی وضاحت ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت صفت 'عزیز'
اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ نہ کسی چیز میں کسی کا سا جھا ہے اور نہ کوئی چیز اس کے محیطہ اقتدار و
اختیار سے باہر ہے۔ وہ بڑی ہی بلند اور بڑی ہی عظیم ہستی ہے، کسی کا بھی یہ درجہ نہیں کہ اس کا کفو اور
ہمسہ ہو سکے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگوں کو مہلت دے رہا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ لوگ اس کے
دائرہ اختیار سے باہر ہو گئے اور اگر اس نے کسی کو عزت و شوکت بخشی ہے تو اس کو اتنا مغرور نہیں ہونا
چاہیے کہ وہ خدا کو دیکھنے اور اس سے ہم کلام ہونے کا حوصلہ کرے۔ اللہ کی بارگاہ بہت بلند اور اس کی
ہستی بڑی عظیم ہے۔

تَكَوَّمُ السَّمٰوٰتِ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِنَّ
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۗ اِلَّا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۵)

یہ خدائے علی و عظیم کے علو اور اس کی عظمت کا بیان ہے کہ اس کی عظمت کے بوجھ سے آسمانوں کا
یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوپر سے پھٹ پڑیں گے اور ملائکہ کا حال 'بائیں ہمہ قربت' یہ ہے کہ اس
کی خشیت کے سبب سے وہ ہر وقت، اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہتے اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے
رہتے ہیں۔ یعنی نادانوں نے تفرشتوں کو خدائی میں شریک بنا رکھا ہے اور یہ توقع لیے بیٹھے ہیں کہ خدا کی بارگاہ
میں ان کو وہ مقام حاصل ہے کہ وہ اپنے سپاریوں کو بڑے بڑے مرتبے دلوائیں گے اور خود ان کا حال یہ ہے
کہ وہ ہر وقت اس کی خشیت سے لرزاں و ترساں اور مہر و فبا تسبیح و تحمید میں۔

'تسبیح' اور حمد کے فرق پر اس کے محل میں گفتگو ہو چکی ہے۔ 'تسبیح' میں تکرار کا پہلو غالب ہے
اور حمد میں اثبات کا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو تمام خلاف شان باتوں سے، جن میں سب سے زیادہ نمایاں شرک
ہے، پاک اور تمام اعلیٰ صفات سے، جن میں سب سے مقدم و جدید ہے، متصف ٹھہرتے ہیں۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۗ اِلَّا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۵)

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا..... (۶)

جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس پر ایمان رکھتے اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ اہل زمین میں سے اور لوگوں کے لیے استغفار کرتے ہیں جو اہل ایمان ہیں۔ چونکہ یہ بات واضح تھی اس وجہ سے آیت زیر بحث میں برفض کر دی گئی ہے۔ ملائکہ کا یہی استغفار ان کی شفاعت ہے جو وہ اپنے رب کی بارگاہ میں اہل ایمان کے لیے کر رہے ہیں۔ اس سے مشرکین کی موعومہ شفاعت کی تردید ہو گئی۔

‘الَّذِينَ آمَنُوا اللَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ’ یہ مشرکین کو ایک بر محل تنبیہ ہے کہ کان کھول کر اچھی طرح سن لو کہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا اللہ ہی ہے۔ اگر یہ چیز فرشتوں کے اختیار میں ہوتی تو وہ اس تذلل کے ساتھ لوگوں کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے کیوں درخواست کرتے؟

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ دُونِهِ أَقَلٌّ لَكَ اللَّهُ حَفِظَ عَلَيْهِمْ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِرَءِيْفٍ (۶)

یہ مشرکین کو نہایت سخت انداز میں وعید اور سخت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ ان واضح دلائل کے بعد بھی جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کار ساز بنا رکھے ہیں اور تمام تنبیہ و تذکرہ کے باوجود اپنی ضد پراڑی ہوئے ہیں، اللہ ان کی کڑی نگرانی کر رہا ہے کہ جو نہی وہ اپنی مہلت پوری کر لیں ان کو اپنے قبور و غضب کے پنجہ میں گرفتار کر لے۔ اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ خدا نے تم پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی ہے کہ لازماً تم ان کو ایمان کی راہ پر لگا ہی دو۔ تمہاری ذمہ داری تبلیغ حق کی تھی وہ تم نے کر دی اور جب تک تمہارے رب کا حکم ہے، کرتے رہو۔ اگر یہ ایمان نہ لائے تو اس کی پریشانی ہی سے ہوتی ہے تم سے نہیں ہوتی ہے۔ یہی مضمون آگے اسی سورہ میں یوں آیا ہے۔

فَإِنِ اعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِظًا مَا آتُوكَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ عِندَ رَبِّهِمْ لَعَلَّ يُؤْتُوا مِنْكَ دُورًا (۶۹)

پس اگر یہ اعراض کریں تو ہم نے تم کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا ہے، تمہارے اوپر ذمہ داری صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ہے۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ لِأَنَّ فِيهَا لَمَسَ جَهَنَّمَ وَتُنذِرَ الْبَشَرِ كُلًّا لَوْ لَمْ يَلِدْ لَوْ لَمْ يَمُتْ لَآتَاكَ مِنْ جَانِبِ الْجَنَّةِ الْفُجُورُ أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْيَوْمَ بِالنَّارِ أَكْبَرُ (۷۰)

اس سورتہ کا اشارہ آیت کے مضمون کی طرف ہے کہ جن طرح ہم نے تم سے پہلے آنے والے نبیوں اور رسولوں کو اپنی وحی سے سرفراز کیا اسی طرح ہم نے تمہاری طرف بھی یہ قرآن بربان عربی آمارا ہے تاکہ

تم عرب کی مرکزی بستی اور اس کے گرد و پیش کے لوگوں کو آگاہ کر دو۔

قرآن کے ساتھ عربی کی صفت بطور اتمنان اور اتمامِ حجت ہے، جیسا کہ ختم المسجدة کی آیت ۲۴ میں گزر چکا ہے کہ اہل عرب نے ایسے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے کہ ان کے لیے اللہ کے دین کی پوری وضاحت نہیں کی گئی۔

’اُمُّ الْقُرْیٰ‘ سے مراد مکہ ہے اس لیے کہ ’اُمُّ الْقُرْیٰ‘ مرکزی بستی کو کہتے ہیں اور عرب میں مرکزی بستی ’اُمُّ الْقُرْیٰ‘ کی حیثیت مکہ ہی کو حاصل تھی۔ یہاں مکہ کے بجائے ’اُمُّ الْقُرْیٰ‘ کے لفظ میں بھی اتمامِ حجت کا پہلو ہے۔ اگر میں اتمامِ حجت کا پہلو ایک پیغام مرکزی بستی کے لوگوں کو پہنچا دیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس ملک کے لوگوں کو ان کے سر پر چڑھ کر لپکا دیا گیا ہے۔ اگر اُمُّ الْقُرْیٰ سے بجائے عرب کے کسی گوشے سے یہ دعوت اٹھتی تو باتیں بنانے والے یہ بات بنا سکتے تھے کہ آخر ہمارے اکابر و سادات اور ہمارے ذہین طبقہ کو چھوڑ کر قرآن نے سب سے پہلے عوام کے طبقہ کو کیوں مخاطب کیا، اس کے حق و باطل کے اصل پر کھنے والے تو مکہ کے سادات ہو سکتے تھے!

’وَمَنْ حَوْلَهَا‘ سے بعض لوگوں نے تمام عالم کو مراد لیا ہے۔ ان کے اس خیال کی بنیاد یہ ہے کہ آنحضرت ’دینِ حویلیا‘ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام عالم کے لیے ہوئی ہے، اس وجہ سے صرف اطرافِ مکہ یا ملکِ عرب ہی کے شہر مراد نہیں ہیں، بلکہ پوری دنیا مراد ہے۔ یہ بات اگرچہ بجائے خود ایک حقیقت ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ہیں، اس وجہ سے آپ کی بعثت تمام عالم کے لیے ہوئی، لیکن ’مَنْ حَوْلَهَا‘ کی یہ تاویل الفاظ کے حدود سے اول تو صریح تجاویز ہے پھر اصل مقصد کے لیے اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ آپ دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ ایک بعثتِ خاص، دوسری بعثتِ عام۔ آپ کی بعثتِ خاص اہل مکہ اور اہل عرب کی طرف ہوئی اور ان پر آپ نے براہِ راست حجتِ قائم فرمائی۔ دوسری آپ کی بعثتِ عام تو وہ تمام عالم کی طرف ہے اور اہل عالم پر دینِ حق کی شہادت دینے کی ذمہ داری قرآن نے بھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی، قیامت تک کے لیے ملتِ مسلمہ پر ڈالی ہے اور اس ذمہ داری ہی کی بنا پر اس امت کو اللہ تعالیٰ نے ’شَهِدَاءَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ‘ کے منصب پر سرفراز فرمایا ہے۔ یہ اس امت کا فریضہ منصبی ہے کہ اللہ کے رسول نے دینِ حق کی گواہی جس طرح اس امت کے لوگوں پر دی اسی طرح یہ برابر دوسروں کے سامنے یہ گواہی دینی رہے۔ اسی فریضہ کے تقاضے سے اس امت کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ ایک گروہ اس میں ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ یہ اس وقت بھی حق پر قائم رہے گا جب دنیا کی رگ رگ میں باطل کا زہر سرایت کر جائے گا۔

لے اس مشورہ پر مفصل بحث ہم اپنی کتاب ’دعوتِ دین اور اس کا طریق کار‘ میں کر چکے ہیں۔ جن لوگوں کو دلائل کی تفصیل مطلوب ہو اس کی مراجعت کریں۔

عدالتِ عام سے انذار سے ڈرنا اور 'یوم الجمع' سے ڈرنا اور 'یوم الجمع' سے اشارہ ظاہر ہے کہ روزِ قیامت کی طرف ہے۔ روزِ قیامت کو 'یوم الجمع' سے تعبیر کرنے میں اس بات کی آگاہی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بلا استثنا سب کو اکٹھا کریگا۔ عابدوں کو بھی اور معبودوں کو بھی ایڈروں کو بھی، ان کے پیروں کو بھی، انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو بھی؛ کفار اور ان کے حمایتیوں کو بھی۔ اور ان سب کی موجودگی میں، بھری عدالت میں، فیصلہ فرمائے گا کہ اللہ کے دین کے معاملے میں کس کا رول کیا رہا ہے؟ کس نے اس میں اختلاف برپا کیا اور نسا و ڈالا اور کس نے اس کی وحدت و پاکیزگی قائم رکھنے کی کوشش کی۔ کون انعام کا مستحق ہے اور کون سزا کا؟

فَإِنَّ فِي الْبَحَّةِ وَالْفَيْقِ فِي السَّعِيرِ؛ یہ اس کھلی عدالت کے فیصلہ کا بیان ہے کہ اس دن ایک گروہ یعنی اہل ایمان کا گروہ لازماً جنت میں جائے گا اور دوسرا گروہ یعنی اہل کفر کا گروہ لازماً دوزخ میں۔
 وَكَوْشَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً كَلَيْسَتْ بِيُدِّ خَلِّ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ
 وَابْطَلِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ قَرِيٍّ وَلَا نَصِيٍّ (۸)

ایک شبہ کا جواب اب یہ ایک شبہ کا جواب دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک ہی دین دیا تو اس نے یہ کیوں نہیں پسند فرمایا کہ سب اسی دین پر رہتے؟ اس نے یہ موقع کیوں دیا کہ لوگ اس میں اختلاف برپا کریں اور اس اختلاف کا نتیجہ بالآخر یہ نکلے کہ ایک گروہ تو جنت کا حقدار ٹھہرے اور دوسرا دوزخ کا سزاوار قرار پائے؟

اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا۔ لیکن اس نے یہ نہیں پسند فرمایا کہ وہ لوگوں کو اپنی ہدایت قبول کرنے پر مجبور کرنے بلکہ اس نے چاہا کہ لوگوں کو اختیار دے کہ ان کے سامنے اپنی ہدایت رکھے کہ لوگ اپنی عقل و بصیرت سے کام لے کر، اپنی آزادی رائے کے ساتھ، ہدایت کو اختیار کریں اور اللہ کی رحمت میں داخل ہونے کے سزاوار بنیں۔ 'يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ' میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی مشیت کا ذکر فرمایا ہے وہ اس کی رحمت اور اس کے عدل کے تحت ہے۔ اس وجہ سے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جن کے لیے اس کا عدل متفق ہی ہو کہ وہ اس کی رحمت میں داخل ہوں ان کو وہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اس مضمون کو اس کے بعد 'وَابْطَلِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ قَرِيٍّ وَلَا نَصِيٍّ' فرمایا کہ واضح بھی کر دیا کہ جو لوگ ظالم یعنی کافر و مشرک ہیں نہ ان کا کوئی کارساز ہوگا، نہ کوئی مددگار یعنی نہ ان کے مرعوبہ اولیاء، ان کے کام آنے والے نہیں گے اور نہ ان کی کوئی جمعیت و جماعت ہوگی جو ان کی کوئی مدد کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف وہ لوگ محروم ہوں گے جو ظالم و مشرک ہوں گے اور ایسا اس لیے ہوگا کہ یہ اس کے عدل کا تقاضا ہے۔ اس کی مشیت اس کے عدل پر مبنی ہے اور کسی کی طاقت نہیں ہے کہ اس کی مشیت کو بدل سکے۔

یہ مضمون قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے اور اس کتاب میں بار بار اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ ہم مزید وضاحت کے لیے یہاں بھی چند آیات کا حوالہ دیے دیتے ہیں۔ سورہ یونس میں فرمایا ہے۔

وَلَوْ مَشَاءَ رَبِّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ
وَمَنْهُمْ حَبِيبًا مَا أَفَانَتْ تِكْرًا النَّاسَ
حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ هَ وَمَا كَانَتْ
نَفْسٌ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا
يُقِيمُونَ (يونس: ۹۹-۱۰۰)

اور اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جو بھی ہیں
سب ایمان پر ہوتے تو کیا تم لوگوں کو مجبور کر دے
کہ وہ مومن بن جائیں اور کوئی جان بھی ایمان
نہیں لاسکتی مگر اللہ کے اذن سے اور اللہ
ان لوگوں پر گندگی لاد دیتا ہے جو اپنی عقل سے
کام نہیں لیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان و ہدایت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے اور اس کی مشیت ان لوگوں کو ایمان کی توفیق بخشتی ہے جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔ جو عقل سے کام نہیں لیتے ان کی عقل ایسی گندگی کے ڈھیر کے نیچے دب جاتی ہے کہ ان کو ایمان و ہدایت کی روشنی نظر نہیں آتی۔ یہی مضمون سورہ سجدہ میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ
هُدًى مَّا لَسَجْدَةُ: ۱۳)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو اس کی ہدایت
دے دیتے۔

یعنی اگر ہم لوگوں کو ایمان پر مجبور کرنا چاہتے تو سب کو مومن بنا دیتے لیکن ہم نے لوگوں کو اختیار دے کر آزما دیا ہے کہ کون ایمان کی راہ اختیار کرتا ہے، کون کفر کی۔ پس جو کفر کی راہ اختیار کریں گے ہم ان سب کو جہنم میں بھر دیں گے اور ان لوگوں کو جنت میں داخل کریں گے جو ایمان لائیں گے۔ یہی بات نہایت وضاحت سے سورہ دہر میں اس طرح ارشاد ہوئی ہے۔

إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرٌ كَمَا هَ قَسَمَ سَاءَ
اتَّخَذْنَا إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا وَمَا
تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا
يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ
وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
إِلِيمًا (الدھر: ۲۹-۳۱)

یہ قرآن تو بس ایک یاد دہانی ہے تو جس کا بھی چاہے
اپنے رب کی راہ اختیار کرے اور تمہارا چاہنا
کچھ نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ بھی چاہے۔ بے شک
اللہ علیم و حکیم ہے۔ وہ اپنی رحمت میں داخل کرتا
ہے جس کو چاہتا ہے۔ رہے اپنی جانوں پر ظلم
ڈھانے والے تو ان کے لیے اللہ نے دردناک
عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی گئی ہے کہ لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی سے پریشان نہ ہو۔ یہ قرآن لوگوں پر زبردستی لادنے کی چیز نہیں ہے۔ یہ صرف ایک یاد دہانی ہے

تو اس کے ذریعہ سے لوگوں کو یاد دہانی کرو۔ جس کا جی چاہے ایمان لائے، جس کا جی چاہے کفر کی راہ اختیار کرے۔ اگر تم لوگ ان کے ایمان کے خواہشمند ہو تو تمہاری خواہش سے کچھ نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کی مشیت نہ ہو اور اللہ کی مشیت اس کے علم اور اس کی حکمت پر مبنی ہے۔ وہ اپنی رحمت میں انہی کو داخل کرتا ہے جن کو چاہتا ہے اور وہ انہی کو چاہتا ہے جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے اور اس کی ہدایت کی تدرک کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے بن کر چلتے ہیں تو ایسے ظالموں کے لیے اللہ نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اِمْرَانًا وَاٰمِنًا وَاٰمِنًا وَاٰمِنًا ۙ فَاَللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ ذُو الْحَقِّ الْعَلِيِّ زَوْهُ عَلِيٍّ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۹)

سوال یہاں اظہارِ تعجب اور انکار کے مفہوم میں ہے۔ اوپر والی آیت میں فرمایا ہے کہ ان کے لیے نہ کوئی کارساز ہوگا، نہ مددگار۔ یہ اسی کی مزید وضاحت ہے کہ اگر انھوں نے اللہ کے سوا کچھ دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں تو یہ محض ان کی بوالغضوبی ہے۔ کارساز صرف اللہ ہی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وہی ہے جو مردوں کو زندہ کرے گا اور ہر ایک کی پیشی اس کے حضور میں ہونی ہے تو کارساز کوئی دوسرا کیسے بن جائے گا۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اس کے ہوتے کسی کارساز کی ضرورت کیا رہی اور اس کے آگے کسی بڑے سے بڑے کارساز کی کارساز کی کیا کارگر ہو سکتی ہے۔

وَمَا اٰخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ اِلَى اللّٰهِ ذٰلِكُمْ اَللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ (۱۰)

ان لوگوں کا معاملہ اللہ کے حوالہ جانی ضد پر اسے پریشان نہ ہوں۔ ہدایت و ضلالت کے باب میں اللہ نے جو سنت مقرر کر رکھی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہ لوگ اللہ کے قانون کی زد میں آئے ہوئے ہیں اس وجہ سے ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجیے۔ اسی ہدایت کے بموجب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا معاملہ اللہ کے حوالہ فرمایا۔ چونکہ یہ بات اوپر والی آیت ہی کی تعمیل میں تھی اس وجہ سے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نئی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی بلکہ کہنے کی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلا دی گئی۔ فرمایا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین کی جس بات میں بھی منہ اختلاف کیا، خواہ وہ توجید ہو یا آخرت، میری ذمہ داری اس میں صرف حق پہنچا دینے کی تھی سو وہ میں نے تم کو پہنچا دیا۔ اب اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔ وہ فیصلہ فرمائے گا کہ میں نے حق پہنچانے میں کوتاہی کی یا تم نے حق کو پہچان کر اس کو جھٹلایا! وہی اللہ میرا رب ہے اس وجہ سے میں نے اس پر بھروسہ کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے۔

۲۔ آگے کا مضمون — آیات : ۱۱-۲۰

پہلے اسی توحید کے مضمون کی وضاحت فرمائی ہے جو اوپر سے چلا آ رہا ہے کہ کارسازِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ رزق اور اولاد سب اس کا عطیہ ہیں۔ اور اس کائنات کے اضراد میں جو توانق ہے وہ اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اللہ واحد کی مشیت اور اس کے ارادہ کے سوا کوئی اور ارادہ اس کے اندر نہیں ہے۔

اس کے بعد پہلی آیت کے مضمون کی وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت نوح سے لے کر حضرت یحییٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں نے اسی دین توحید کی دعوت دی اور اس میں اختلاف برپا کرنے سے لوگوں کو روکا لیکن ان کی امتوں نے خدا کی طرف سے واضح علم آجانے کے باوجود اس میں اختلاف پیدا کیا اور اپنے آپ کو اللہ کی ہدایت سے محروم کر لیا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ تم اسی دین انبیاء کی لوگوں کو دعوت دو اور اپنی اس دعوت پر جمے رہو۔ چلوگ تمہاری مخالفت کر رہے ہیں ان کو آگاہ کر دو کہ میں اللہ کی کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اس نے تمہارے اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لیے، میزانِ عدل بنا کر، اتاری ہے۔ اگر تم اس کے فیصلہ کو قبول نہیں کر دو گے تو قیامت کی میزان تمہارا فیصلہ کرے گی اور قیامت شدنی ہے۔ اپنی موجودہ رفاہیت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل نہ سمجھو۔ اللہ حق کے دشمنوں کو بھی دنیا کی نعمتیں دیتا ہے لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

فَاِطْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلْ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَمِنْ
الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذُرُّكُمْ فِيْهِ لَكُمْ كِسْفٌ مِّنْ شَيْءٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱
لَهُ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ
وَ يَقْدِرُ اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ
مَا وَصٰى بِهٖ نُوْحًا وَاَلَدْحٰى اَوْحَيْنَا لِيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا
بِهٖ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا
فِيْهِ ۚ كَبُرَ عَلٰى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۗ اَللّٰهُ

آیات

۲۰-۱۱

يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَىٰ آلِهِ مَنْ يَنبَغِي ۝۱۳ وَمَا
تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا
كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ
الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٌ ۝۱۴
فَلِذَلِكَ فَادَعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ
أَمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۖ اللَّهُ
رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَ
بَيْنَكُمْ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝۱۵ وَالَّذِينَ يُمَاجِرُونَ
فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝۱۶ اللَّهُ الَّذِي
أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ۖ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ
قَرِيبٌ ۝۱۷ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ
آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۖ الْآنَ الَّذِينَ
يَمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝۱۸ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ
يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝۱۹ مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ
الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا
نُؤِثِرْهُ مِنْهَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝۲۰

وہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہاری جنس سے تمہارے

ترجمہ آیات

جوڑے پیدا کیے اور چوپایوں کی جنس سے بھی جوڑے پیدا کیے۔ اس مزرعہ کے اندر وہ تمھاری تخم ریزی کرتا ہے۔ اس کے مانند کوئی شے بھی نہیں ہے۔ اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں آسمانوں اور زمین کی کھیاں۔ وہ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۱۱-۱۲

اس نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی ہدایت اس نے نوح کو فرمائی اور جس کی وحی ہم نے تمھاری طرف کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ پیدا کیجیو۔ مشرکین پر وہ چیز شاق گزر رہی ہے جس کی طرف تم ان کو دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف آنے کے لیے چن لیتا ہے اور وہ اپنی طرف رہنمائی ان کی کرتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ۱۳

اور یہ لوگ صحیح علم آچکنے کے بعد محض باہمی ضد ضد کے باعث متفرق ہوئے اور اگر تمھارے رب کی طرف سے ایک بات ایک مدت معین کے لیے نہ پابکی ہوتی تو ان کے درمیان فوراً فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے ان کے بعد وہ اس کے باب میں ایک الجھن میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں۔ ۱۴

پس تم اسی دین کی دعوت دو اور اس پر جے رہو جیسا کہ تم کو حکم ہوا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیو۔ اور اعلان کر دو کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے یہ حکم ہے کہ میں تمھارے درمیان فیصلہ کر دوں۔ اللہ ہی ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمھارے اعمال تمھارے لیے۔

ہمارے درمیان کسی بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ ۱۵

اور جو لوگ اللہ کے باب میں حجت کر رہے ہیں بعد اس کے کہ اس کو مانا جا چکا ہے، ان کی حجت ان کے رب کے آگے بالکل لپا ہے اور ان پر غضب اور ان کے لیے عذاب شدید ہے۔ ۱۶

اللہ ہی ہے جس نے اتاری کتاب قولِ فیصل کے ساتھ اور میزان اتاری اور کیا پتہ شاید قیامت بھی قریب ہی آگئی ہو! اس کے لیے جلدی وہ لوگ مچائے ہوئے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ترساں ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ شدنی ہے۔ آگاہ کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ۱۷-۱۸

اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ وہ رزقِ نخواستہ ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ نہایت زور آور اور غالب ہے اور جو آخرت کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے ہم اس کی کھیتی میں افزونی دیتے ہیں (اور دنیا میں بے بھالی اس کا حصہ دیتے ہیں) اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دیتے ہیں اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔ ۱۹-۲۰

۴۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فَاطُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ جَعَدَ كُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَرْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَرْوَاجًا ۗ
يَذُرُّكُمْ فِيْهِ ۙ لٰكِنَّ كَمِثْلِهِ مُتَّبِعُوْنَ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ (۱۱)

اد پر آیت ۱۰ میں یہ جو فرمایا ہے۔ **ذُذِبِكُمْ اللّٰهُ رَبِّي عَلَيَّهٖ تَوَكَّلْتُ** اس کی یہ مزید وضاحت ہے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اور تمام انسانوں اور دوسری مخلوقات کو جو وہیں لانے والا وہی ہے۔ دوسرا کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس کی ذات یا صفات میں اس کا شریک ہو سکے تو کوئی اور کس طرح ہوا ہو سکتا ہے کہ اس کو اس کا شریک ٹھہرایا اور مولیٰ و مرجع بنایا جائے!

يَذَرُكُمْ فِيهِ میں ضمیر مقرر کا مرجع الفاظ کے اندر نہیں ہے بلکہ اس مفہوم کے اندر ہے جو الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔ الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور چوپایوں کے اندر ان کی جنس سے جو جوڑے پیدا کیے ہیں تو اس طرح گویا انسانوں اور چوپایوں کی تخلیق کے لیے ان کے اپنے نوعی نظام کے اندر ہی ایک فارم یا مزعہ بنا دیا ہے جس میں وہ ان کی برابر تخم ریزی کرتا اور ان کو پروان چڑھاتا ہے۔ عربی زبان میں اس طرح ضمیر آتی ہیں۔ اس کتاب میں اس کی بعض نہایت واضح مثالیں بھی گزر چکی ہیں۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اور پروانے ٹکڑے میں خالق آسمان و زمین کی جس قدرت و حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ اس کا نتیجہ سامنے رکھ دیا ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین جیسی عظیم چیزیں پیدا کیں، جس نے انسانوں اور چوپایوں کی نسل چلانے کے لیے یہ حیرت انگیز نظام قائم فرمایا آخر دوسرا کون ایسا ہو سکتا ہے جس کو اس کا مثل قرار دیا جاسکے؟ کوئی چیز بھی نہ اس کے مثل ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں بالکل یکتا ہے۔ پھر اس سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ جب آسمانوں کا خالق وہ ہے تو ان سے جو کچھ آتا ہے اس کا اتاڑنے والا بھی وہی ہے، جب زمین کا بنانے والا وہ ہے تو اس سے جو کچھ برآمد ہوتا ہے اس کا برآمد کرنے والا بھی لازماً وہی ہے۔ جب عورت اور مرد، نر اور ناری کا خالق وہ ہے تو جو خلق ان سے وجود میں آتی ہے ان کا وجود میں لانے والا بھی وہی ہوا۔ مطلب یہ نکلا کہ جب آسمانوں اور زمین اور عورت و مرد کا خالق خدا کے سوا کسی دوسرے کو نہیں قرار دیا جاسکتا تو ان کے باہمی تفاعل سے وجود میں آنے والی چیزوں کو کس طرح کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے؟ کون ہے جس نے ان کاموں میں سے کوئی ایک بھی کیا ہو یا کر کے جو خدا نے کیے ہیں کہ اس کو اس کا ہم پایہ بنا دیا جائے؟

وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ یہ اس سبق سے نکلا ہوا آگے کا سبق ہے کہ جس طرح اس کائنات کے شاہد سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کوئی اس کا شریک نہیں ہے اسی طرح یہ حقیقت بھی اس سے نکلتی ہے کہ حقیقی سمیع و بصیر وہی ہے۔ ایک سمیع و بصیر خالق ہی اتنی وسیع کائنات کو وجود میں لاسکتا ہے اور وہی اس کو برقرار بھی رکھ سکتا ہے۔ تو جب اس کی قدرت بھی بے مثال اور اس کا علم بھی محیط کل تو سب اس کی بندگی کریں اور اسی سے اپنی ضرورتیں مانگیں۔ وہ سب کی باتیں سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے اس سے

مانگنے کے لیے کسی واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۱۲)

جو مانگے ہے وہی مالک ہے
کس طرح ممکن ہے کہ وہ ان کو پیدا تو کرے لیکن پیدا کرنے کے بعد ان کے خزانوں کی کنجیاں دوسروں کو کھڑا دے؟ اسی کے حکم سے بارش ہوتی ہے اور اسی کے حکم سے زمین اپنے خزانے اگلتی ہے اور وہی ہے جو اپنے علم اور اپنی حکمت کے تقاضوں کے تحت جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں کشادگی دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اس کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ نذر رزق کے پیدا کرنے میں کسی دلیوی دیوتا کا کوئی دخل ہے اور نہ اس کی تقسیم میں کسی کو دخل ہے۔ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں اس وجہ سے شکر کا حقیقی سزاوار وہی ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا اس وجہ سے بندوں کو اسی سے امید بھی رکھنی چاہیے اور اسی سے ڈرنا بھی چاہیے اور اگر کسی کے رزق میں تنگی ہو تو اس بدگمانی میں اس کو نہیں مبتلا ہونا چاہیے کہ خدا کو اس کی خبر نہیں ہے یا اس نے اس کے ساتھ کوئی نا انصافی کی ہے بلکہ یہ اطمینان رکھنا چاہیے کہ جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے خدا کے علم سے ہو رہا ہے اور اسی میں حکمت ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَّمَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۗ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَىٰ آلِهِ مَن يُنِيبُ (۱۳)

یہی دین تمام نبیوں کا دین ہے
سورہ کی تمہید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ جو فرمایا ہے کہ تمہیں اسی دین حق کی وحی کی جا رہی ہے جس کی وحی تم سے پہلے آنے والے نبیوں اور رسولوں کو کی گئی، یہ اسی مضمون کی وضاحت قریش اور اہل عرب کو مخاطب کر کے کی جا رہی ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے وہی دین پسند فرمایا ہے جو اس نے نوح کو دیا تھا اور جس کی وحی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کی جا رہی ہے۔ اسی دین کی تلقین ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو بھی کی گئی تھی۔ یہ کوئی ایسا دین نہیں ہے جو تمہارے لیے انوکھا اور اجنبی ہو بلکہ شروع سے لے کر اس آخری نبی تک سب کا دین یہی رہا ہے اور یہی اللہ کا حقیقی دین ہے۔
حضرات انبیاء علیہم السلام کا حوالہ یہاں اس طرح دیا ہے کہ پہلے ابتدائی اور آخری کڑی یعنی حضرت نوح اور حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا، پھر بیچ کے انبیاء میں سے تین جلیل القدر نبیوں — حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام — کا نام خاص طور پر لیا۔ اس اہتمام خاص کے ساتھ ان کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ انہی تین نبیوں کی پیروی کے مدعی اس وقت قرآن کے سامنے تھے۔ مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کے مدعی تھے اور یہود و نصاریٰ

با ترتیب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔ اس طرح گویا نبیوں کی پوری تاریخ کی طرف بھی اجمالی اشارہ ہو گیا اور قابل ذکر امتیں بھی سامنے آ گئیں۔

اِنَّ اَقِيَمُوا السَّبِيْلَ وَلَا تَقْفُوْا قَدَمَيْهٖ اِس دین کا بھی بیان ہے جس کی تلقین ان نبیوں اس دین سے کوئی گئی اور اس ہدایت کا بھی جو اس دین سے متعلق ان نبیوں کے واسطے سے ان کے پیروؤں کو کی گئی۔ اَلسَّبِيْلُ پر الف لام اسی طرح کا ہے جس طرح اَلکِتَابُ پر ہے۔ جس طرح اَلکِتَابُ کے معنی کو ہدایت اللہ کی کتاب کے ہیں اسی طرح السَّبِيْلُ کے معنی اللہ کے دین کے ہیں۔ اللہ کا دین شروع سے اسلام ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّ السَّبِيْلَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (اصل دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے)۔ اس دین کی بنیاد خالص اور کامل تو حید پر ہے۔ یہی دین اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی دیا اور یہی دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نازل فرمایا۔ اس کے عقائد اور اس کی اساسات شروع سے آخر تک بالکل ایک ہیں۔ فرق اگر ہوا ہے تو جزئیات شریعت میں ہوا ہے جس کو قرآن نے مشرعة ومنهاج کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس دین سے متعلق امتوں کو یہ ہدایت بھی فرمائی گئی تھی کہ اس کو قائم رکھنا اور اس میں اختلاف اور تفرق نہ برپا کرنا۔ یہ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح فرمایا ہے کہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا اِنَّ عِمْدَانَ (۱۱۳) سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑو اور تفرق نہ ہو، قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی جو باتیں ماننے کی ہیں وہ سچائی کے ساتھ مانی جائیں جو کرنے کی ہیں وہ دیا ننداری اور راستبازی کے ساتھ کی جائیں۔ نیز لوگوں کی برابر نگرانی کی جائے کہ وہ اس سے غافل یا منحرف نہ ہونے پائیں۔ اور اس بات کا بھی پورا اہتمام کیا جائے کہ اہل بدعت اس میں کوئی رخنہ نہ پیدا کر سکیں۔

لَا تَقْفُوْا كَمَا مَطْلَب یہ ہے کہ یہی دین جبل اللہ ہے اس وجہ سے سب کا فرض ہے کہ سب مل کر اس کو تھامیں۔ ایسا نہ ہو کہ جس کے ہاتھ میں جو رسی آبلے اسی کو وہ جبل اللہ سمجھ بیٹھے اور اس رسی کو چھوڑ دے۔ اگر اس جبل اللہ سے تعلق منقطع ہوا تو سالہ شیرازہ درہم برہم ہو جائے گا۔ پھر کوئی چیز بھی لوگوں کی شیرازہ بندی نہ کر سکے گی۔

كَبُرَ عَلٰی الْمُشْرِكِيْنَ مَا سَدَّ عَنْهُمْ الْبَابَ۔ مشرکین سے مراد مشرکین قریش ہیں۔ فرمایا کہ ان کے لیے اللہ نے دین تو وہی اتارا جو تمام انبیاء کا دین ہے اور اسی دین کی تعلیم ان کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی دی ہے لیکن وہ چیز ان پر شاق گزر رہی ہے جس کی طرف تم ان کو دعوت دے رہے ہو۔ کو چڑھتی

حضرات انبیاء کی اصل تاریخ تو حضرت آدم سے شروع ہوتی ہے لیکن قرآن نے بالعموم حضرت نوح ہی سے آغاز فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح سے پہلے کی تاریخ بالکل بھدہ خفا میں ہے۔

مَا تَدْعُوهُمْ لِيُقْبَلُوا أَلَمْ يَكُن لَكُمْ آيَاتٌ مِمَّا كُنْتُمْ تَدْعُونَ ۗ لَقَدْ يَمُرُّ بِالْعُرُبِ وَالْأَسْيَافِ وَالرُّمَالِ وَمِنَ الْجِبَالِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۰﴾
 بات کی جگہ جگہ تصریح ہے کہ مشرکین کو سب سے زیادہ چڑھتا قرآن کی دعوت توحید ہی سے تھی۔

ہدایت کے با
 میں سنتِ الہی
 گئی ہے کہ ان کے معاملہ میں صبر کرو۔ تم ان کے ایمان کے کتنے ہی چاہنے والے بنو لیکن ہو گا وہی جو اللہ
 چاہے گا۔ اور اللہ کا چاہنا اس کی حکمت اور اس کی سنت کے تحت ہے۔ وہ اپنی طرف رہنمائی انہی
 لوگوں کی کرتا ہے جو خود بھی اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے وہ توفیقِ ہدایت
 سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یَجْتَبِيْكَ الْعَزَابُ، کا صلہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں تفسیر ہے۔ اس
 اسلوب کی وضاحت جگہ جگہ ہو چکی ہے۔

وَمَا تَقْرَفُوا بِالْآلِ مِنَ الْغَيْبِ كَمَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ مِنْكُمْ بَلْ أَنْتُمْ كَرِهْتُمُوهُ سَبَقَتْ
 مِنْ رَبِّكَ إِلَيْنَا آجَلُ مَسْئَلِكُمْ فَبِئْسَ الْبَيْتُ لِمَنْ كَفَرَ مِنَ الْكُفْرِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ كَرِهْتُمُوهُ
 لَقَدْ سَأَلْنَا إِلَهَ رَبِّكَ

یہ ان امتوں کو ملامت ہے کہ انھوں نے علمِ الہی کی روشنی پانے کے بعد محض اپنی باہمی ضد کے
 باعث آپس میں اختلاف کیا اور گراہی میں مبتلا ہوئیں۔ اگر رات کی تاریکی میں کوئی ٹھوکر کھا جائے تو اس
 کو ایک حد تک معذور قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جو شخص پورے دن کی روشنی میں، محض اپنی ضد کے
 سبب سے، ٹھوکر کھاتا ہے وہ اپنی اس حماقت کا خود ذمہ دار ہے۔ اس تفرق کی نوعیت سمجھنے کے
 لیے یہ اشارہ غالباً یہاں کافی ہو گا کہ یہود کے علماء اور فقہاء میں بالکل اسی طرح کے اختلافات برپا ہوئے
 جن طرح کے اختلافات ہمارے ہاں برپا ہوئے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس امت کے پاس قرآن محفوظ ہے
 اس لیے رفعِ اختلاف کی کسوٹی موجود ہے لیکن یہود نے تورات بھی ضائع کر دی اس وجہ سے ان کے اختلاف
 کے رفع ہونے کی کوئی شکل باقی ہی نہیں رہی۔

حضرت عیسیٰ کی دعوت سے جو امت ظہور میں آئی اس کے اور یہود کے درمیان شروع ہی سے
 ایک چپقلش برپا رہی اور اس میں اصلی دخل علمائے یہود کے عناد کو تھا۔ وہ محض خدا اور حمد کے باعث
 ان کے دشمن بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعد میں خود نصاریٰ کے اندر بے شمار فرقے پیدا ہو گئے اور پال
 نے ان کو تورات اور انجیل دونوں کی روشنی سے محروم کر دیا۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کی
 روشنی دکھانی چاہی تو یہود اور نصاریٰ اور قریش تینوں نے مل کر اس روشنی کو گل کرنے کی جو سعی نامراد کی
 اس کی پوری تفصیل قرآن میں آپ پڑھ رہے ہیں۔ یہود کو قرآن سے اس بنا پر عناد تھا کہ مذہبی پیشوائی
 بنی اسماعیل کو مستقل نہ ہونے پائے اور قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو پرخاش تھی اس کے وجود
 خود ان سورتوں سے واضح ہیں۔ اسی صورت حال کو قرآن نے وَمَا تَقْرَفُوا بِالْآلِ مِنَ الْغَيْبِ كَمَا جَاءَهُمْ

الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ جس امت نے بھی تفرق اور اختلاف کی راہ اختیار کی ہے محض اپنی شامت اعمال اور باہمی عناد کے سبب سے اختیار کی ہے۔ جہاں تک اللہ اور اس کے رسول کا تعلق ہے ان کی طرف سے برابر لوگوں کو مراہم مستقیم ہی کی رہنمائی کی گئی۔

وَكَوْلَا كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ اِنِّي اَجِلُّ مَسِيٍّ نَقَضِي بَيْنَهُمْ۔ یہ ان امتوں کو زبردستی بیچ ہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی بھی کہ چونکہ تمہارے رب کی طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ تمام حجت کے لیے ہر امت کو ایک خاص مذکر مہلت دی جائے گی اس وجہ سے ان کو مہلت دی جا رہی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو بلا تاخیر ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔

وَ اِنَّ السَّيِّئَاتِ اُورِدْنَا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَقِي سَلْبَكَ مِنْهُ مُرِيْبٌ۔ اس ٹکڑے کا تعلق اوپر والے جملے سے ہے۔ وَمَا تَقَرَّرُوا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ سے ہے۔ بیچ کا جملہ محض بطور عمدہ معترضہ اور بغرض تنبیہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم آنے کے بعد ان ملتوں نے آپس میں جو اختلاف برپا کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں جو لوگ کتاب یعنی تورات کے وارث ہوئے وہ اس تورات کی طرف سے الجھن میں ڈال دینے والے شکوک میں مبتلا ہو گئے۔ یہ مضمون بعینہ سابق سورہ میں بھی بدیں الفاظ گزر چکا ہے: وَقَدْ اَيْنَّا مَوْسٰى الْكِتٰبَ فَاخْتَلَفَ فِيْهِ طَوَّلًا وَكَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ نَقَضِي بَيْنَهُمْ وَ اِنَّهُمْ لِنَقِي سَلْبَكَ مِنْهُ مُرِيْبٌ (رحم المسجدة: ۴۵) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تو اس میں اختلاف پیدا کر دیا گیا، اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا جھگڑا چکا دیا جاتا، اور بے شک وہ اس کی طرف سے ایک الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑ گئے ہیں (لفظ 'مورب' کی تحقیق اس کے محل میں بیان ہو چکی ہے۔ الْمَذِيْنُ اُوْرِدْنَا الْكِتٰبَ سے مراد یہودی ہی کے اختلاف میں جو اپنے اگلوں کے بعد تورات کے وارث ہوئے۔ چونکہ تورات ان کو بالکل متناقض شکل میں ملی اس وجہ سے ان کا اس کی طرف سے شکوک میں مبتلا ہو جانا ایک ارفطری تھا اور یہ چیز مقضی تھی کہ وہ اس اختلاف کو رفع کرنے والی کتاب۔ قرآن۔ کی دل سے تدر کرتے لیکن انھوں نے محض ضد اور حسد کے سبب سے اس کی مخالفت کی۔ عام طور پر لوگوں نے کتاب سے قرآن کو مراد لیا ہے لیکن اس کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

فَلِذٰلِكَ نَادَعُ ۙ وَاَسْتَقِيْمُ كَمَا اُمِرْتُ ۙ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۡهُمْ ۙ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اُنزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۙ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۙ اِنَّ اللّٰهَ رَبَّنَا وَرَبِّكُمْ ۙ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۙ اِنَّ اللّٰهَ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۙ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (۱۵)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ تم اسی دین حق کی دعوت دو جو تمام انبیاء کا مشترک دین ہے اور تمہارے یہ مخالفین خواہ کتنا ہی زور لگائیں لیکن تم ان کی مطلق پروا نہ کرو، بلکہ ٹھیک ٹھیک اسی کی تعین

طرح جس طرح تمہیں ہدایت ہوئی ہے اس پر چلے رہو۔

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ۔ یہ اس استقامت کی وضاحت اس کے منفی پہلو سے ہے کہ ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر۔ یعنی اپنی خواہشوں کو دین بنانے کے لیے انہوں نے اللہ کے دین میں جو بدعتیں گھسائی ہیں ان کی پیروی نہ کرو۔ اسوۂ سے مراد، جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں، بدعات ہیں۔ اس لیے کہ بدعات تمام تر خواہشوں ہی سے جو دین آتی ہیں۔

وَدَخَلَ أَمْنٌ مِمَّا آتَدَكَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ يَعْنِي أَنْ لَوْ كُنَّا كَوْنًا مِمَّا آتَدَكَ اللَّهُ بِدَعَاةٍ كَيْ حَامِيَةٍ مِمَّا لَمْ يَكُنْ فِيهَا شَيْءٌ مِنَ الْكُفْرِ، تَبَادُؤُكَ فِي الشُّكْلِ اتَّارِي هُوَ كِتَابٌ بِرَأْيَانِ لَأَيَّاهُمْ تُوْتَمَّارِي بِدَعَاةٍ وَخَوَاشَاتِ كَيْ پِيْرِي كَسْ طَرَحِ كَرَسْتَاهُمْ؟

وَأُمُوتٌ لِأَعْدَائِكُمْ۔ یعنی میں تمہاری بدعات و خواہشات کی پیروی کرنے نہیں بلکہ تمہارے درمیان انصاف کرنے آیا ہوں۔ تم نے اللہ کے دین میں جو جھگڑے پیدا کر دیے ہیں، مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں اس جھگڑے کا فیصلہ کر کے بتاؤں کہ اس میں کیا حق ہے اور کیا باطل؟ سو تم مجھ سے اپنی بدعات کی پیروی کی توقع نہ رکھو بلکہ اگر توفیق ہے تو مجھ سے یہ جاننے کی کوشش کرو کہ تم میں سے کس کے ساتھ کتنا حق ہے اور کتنا باطل اور اللہ کا اصلی اور بے آمیز دین کیا ہے؟

اللَّهُ دِينَنَا وَرَبُّكُمْ... الْآيَةُ... يَتَنَبَّهٌ وَتَحْذِيرٌ هُوَ كَيْ يَادِرْ كَهُوَ كَاللَّهِ هِي هَمَارِ رَبِّ هِي، وَهِي تَمَّارِ ابھی رب ہے۔ اسی کے آگے ہماری بھی پیشی ہوتی ہے اور اسی کے حضور میں تمہاری پیشی بھی ہوگی۔ اس مناظر میں نہ رہتا کہ تمہارا مولیٰ و مرجع کوئی اور ہوگا۔ اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہوں گے اور تم اپنے اعمال کے۔ اگر ہم نے تمہیں حق پہنچا دیا تو ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہوئے، اب خدا کے سامنے تمہاری ذمہ داری ہمارے اوپر نہیں ہے بلکہ خود تمہارے اوپر ہے۔ اس کے نیک دید کو تم خود جھگڑو گے۔ سورہ یونس میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے: وَإِنْ كَذَّبْنَاكَ فَقُلْ إِنِّي عَمَلِي وَكَمُ عَمَلِكُمْ، أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ (یونس: ۴۱) اور اگر وہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو کہہ دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل۔ تم بری ہو میرے عمل سے اور میں بری ہوں تمہارے اعمال سے۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ، یعنی اتنی رت و قدح اور اتنی توضیح و تفصیل کے بعد بھی اگر بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو اب ہمارے اور تمہارے درمیان مزید طول کلام کی ضرورت نہیں رہی۔ اب معاملہ اللہ کے حوالہ ہے۔ وہ ہم سب کو اکٹھا کر کے فیصلہ کرے گا اور یاد رکھو کہ سب کا ٹھکانا اسی کی طرف ہے۔

وَالَّذِينَ يُعَاجِزُونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُمْ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةً مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ
وَعَلَيْهِمْ عَذَابٌ وَكَانَ عَذَابُ شَدِيدًا (۱۶)

’مُحَاجَّةَ‘ کے معنی مجادلہ اور کٹ جھگڑا کرنے کے ہیں اور ’فِي اللَّهِ‘ میں مضاف مندرج ہے یعنی ’فِي تَوْحِيدِ اللَّهِ‘ اس لیے کہ جھگڑا جن سے بھی تھا اللہ کے باب میں نہیں بلکہ اس کی توحید ہی کے باب میں تھا۔ اہل کتاب تو درکنار مشرکین عرب بھی خدا کے منکر نہیں تھے۔ لیکن خدا کو شرک کے ساتھ ماننا دین میں معتبر نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ اس کی توحید کے ساتھ اس پر ایمان لایا جائے اگر کوئی توحید کے معاملہ میں جھگڑتا ہے تو وہ گویا خدا ہی کے باب میں جھگڑتا ہے اور اسی کی نفی کر رہا ہے۔

’مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ‘ کا مفہوم کم و بیش وہی ہے جو ’مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ الْعِلْمُ‘ کا ہے یعنی یہ جھگڑا خدا کو ماننے کے بعد اٹھایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک تمام نبیوں کی تعلیم ایک ہی رہی ہے، سب نے توحید ہی کی دعوت دی ہے تو اس کے معنی یہ ہونے کہ قریش، یہود اور نصاریٰ سب کے اصل اسلاف اللہ تعالیٰ کی توحید کو مان چکے ہیں۔ اب اس ماننے کے بعد اگر خدا کی توحید میں ان امتوں کی طرف سے یہ جھگڑے اٹھائے جا رہے ہیں تو یہ حجت نہیں بلکہ کٹ جھگڑا ہے اور یہ کٹ جھگڑا خدا کے آگے کام آنے والی نہیں بلکہ یہ پسپا ہو کر رہے گی۔

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ۗ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ

قُرْآنِ (۱۷)

’الکتاب‘ سے مراد قرآن اور ’المیزان‘ اسی کا بیان ہے۔ فرمایا کہ امتوں کے باہمی اختلاف کو رفع کرنے اور حق و باطل کو تمیز کر دینے کے لیے اللہ نے قرآن اتارا ہے جو درحقیقت ایک میزانِ عدل ہے۔ اوپر ہے آیت ۵ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو یہ اعلان کرایا گیا ہے کہ ’وَقُلْ آمَنَّا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَلَا نُؤْتِ إِلَّا عِدْلَ بَيْنِكُمْ‘ (اور یہ بتا دو کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں) یہ وہی بات دوسرے الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس کام پر مامور فرمایا کہ امتوں کے درمیان اللہ کے دین کے بارے میں جو اختلاف ہے آپ اس کا فیصلہ کریں تو ضروری ہوا کہ آپ کو ایک ایسی کتاب بالحق عطا ہو جو میزانِ عدل کا کام دے اور آپ اس پر پرکھ کر تباہیوں کو کس کے پاس کتنا حق ہے اور کتنا باطل۔ قرآن کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کا ایک نام ’مُہینین‘ بھی ہے جس کے معنی کسوٹی کے ہیں۔ یہی مضمون سورہ حدید میں بھی آیا ہے: ’وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ...‘ (۲۵) اور ہم نے ان رسولوں کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری کہ لوگ ٹھیک۔ فقط عدل پر استوار ہوں۔

’وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قُرْآنِ‘ یہ فقرہ یہاں نہایت ہی جامع اور نہایت ہی بلیغ ہے مطلب یہ ہے کہ خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جو اس میزانِ عدل کے فیصلہ کے مطابق اپنے حق و باطل میں امتیاز

اور اپنے اختلافات کو رفع کر لیں گے ورنہ قیامت تو بہر حال فیصلہ کر کے رہے گی اور اس کے فیصلہ سے کسی کے لیے بھی فرار کی گنجائش نہیں ہوگی اور قیامت کو بہت دُور نہ سمجھو، کیا عجب کہ وہ بھی اب قریب آگئی ہو۔ جو لوگ قرآن کی میزانِ عدل سے گریز کر رہے ہیں آخر قیامت کی میزان سے وہ کہاں بھاگیں گے!

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُنْفِقُونَ وَمِنْهَا لَذَّةٌ لَّعَلَّكُمْ
أَنَّهَا الْحَقُّ وَالْآيَاتُ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْمَسَاعِدِ لِقَىٰ صَلِّ لِّعَبِيدِ (۱۸)

یعنی یہ لوگ قیامت کو محض ایک خیالی ڈراوا سمجھتے ہیں اس وجہ سے ان کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے بلکہ ڈھیٹ ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اگر اس کو آنا ہے تو آئیوں نہیں جاتی؛ فرمایا کہ جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے وہ تو اس کے لیے جلدی مچاتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک وہ محض ایک مذاق ہے۔ مگر جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کی ہولناکی کو سمجھتے اور اس سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْمَسَاعِدِ لِقَىٰ صَلِّ لِّعَبِيدِ : یہ ان لوگوں کی محرومی پر اظہارِ حسرت ہے جو قیامت جیسی واضح حقیقت کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ بہت دُور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب ان کے کھلنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر ایک کے سامنے اس کا انجام موجود ہوگا جس سے کسی کے لیے بھی مفر نہیں ہوگا۔

اللَّهُ لَطِيفٌ لِّعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ (۱۹)

یہ سبب بیان فرمایا ہے اس بات کا کہ کیوں اللہ تعالیٰ نافرمانوں اور شریروں کو اتنی ڈھیل دیتا ہے کہ وہ دلیر ہو کر عذاب اور قیامت کے لیے جلدی مچانے اور اس کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔ وہ رحمت کرنے میں سبقت کرتا ہے، عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ نافرمانوں کی نافرمانی کے باوجود ان کو رزق دیتا رہتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر توبہ و اصلاح کر لیں اور اپنے رب کی ابدی رحمت کے سزاوار بن جائیں۔

وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ : اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خدا نہایت ہی قوی و عزیز ہے۔ کسی کی تاب نہیں ہے کہ اس کی پکڑ سے بچ سکے تو جب کوئی دُشمن کی گرفت سے باہر ہے اور نہ باہر ہو سکتا تو وہ جلدی کیوں کرے! جلدی کی ضرورت اسے پیش آتی ہے جس کو اندیشہ ہو کہ شکار اس کے قابو سے باہر نکل جائے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُذِثْهُ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (۲۰)

یہ اسی سنتِ الہی کی مزید وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ وہ اپنے رزق و فضل سے انہی کو نوازے جو اس کی بندگی کرنے والے ہوں بلکہ نیکو کاروں اور بدکاروں دونوں کو وہ روزی دیتا ہے

البتہ جو لوگ آخرت کی کھیتی کرتے ہیں اللہ ان کی آخرت کی کھیتی میں بھی برکت دیتا ہے اور اس دنیا کے رزق و فضل میں سے بھی جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں، آخرت کی پروا انھیں نہیں ہوتی تو اللہ ان کو بھی اتنا دے دیتا ہے جتنا اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ البتہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

نَزِدْنَاهُ فِي حَرْثِهِ لَعَلَّ تَوْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا كَالْفَاظِ بَرِنَا تَعْرِينَهُ مَخْذُوفًا هِيَ - تَقَابِلِ
اس مذنب پر دلیل ہے اس لیے کہ دوسرے ٹکڑے میں تَوْتِهِ مِثْلًا کے الفاظ موجود ہیں۔ سورہ نبی اسرائیل میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ه
كَلَّا نَسِعُهُمْ كُفُوًا هُوَ لَوْلَا مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ه
(ربنہ اسلمیل: ۱۸-۲۰)

جو دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں ہم ان کو اسی دنیا میں دے دیتے ہیں جو چاہتے ہیں اور جن کے لیے چاہتے ہیں۔ پھر ہم نے ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں وہ مذموم و مدح و مذموم داخل ہوں گے اور جو آخرت کے طالب ہوتے ہیں اور اس کے شایان شان جدوجہد کرتے ہیں اور وہ مومن بھی ہیں تو دراصل وہ ہیں جن کی سعی مشکور و مقبول ہوگی۔ تیرے رب کی بخشش سے ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں اور ان کی بھی۔ اور تیرے رب کی بخشش کا دروازہ کسی پر بھی بند نہیں ہے۔

۴- آگے کا مضمون - آیات: ۲۱-۳۶

اوپر کے پیرے میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں نے اسی دین توحید کی تعلیم دی ہے جس کی تعلیم یہ پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دے رہے ہیں۔ اب آگے یہ واضح فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ان مشرکین کے مزموں شرکاء نے ان کے لیے کوئی الگ دین ایجاد کیا ہے تو یہ دین خدا کے ہاں کام آنے والا نہیں ہے۔ جزائے اعمال کے دن یہ لوگ اپنی بدبختی پر اپنے سر پٹھیں گے۔ اس دن کی کامیابی صرف ان لوگوں کا حصہ ہوگی جو ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کر کے اس دن کے لیے کچھ کمائی کر لیں گے۔

اس کے بعد مخالفین کے تین اعتراضوں کے علی الترتیب جواب دیے ہیں۔

ایک اس اعتراض کا کہ اس جوش و گرمی کے ساتھ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو دعوت دے رہے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ہماری بہبود ان کو عزیز ہے بلکہ اس میں سراسر ان کی اپنی غرض پوشیدہ ہے۔

وَلَا يَنْزِلُ بِقَدَرٍ أَيْشَاءُ إِنَّهُ يُعِيدُ خَيْرٌ لِّصِيرٍ ۝۳۵ وَهُوَ
الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ
الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۝۳۶ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ۝۳۷
وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ
كَثِيرٍ ۝۳۸ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۝۳۹ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ
اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۴۰ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝۴۱
إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظُهُورِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝۴۲ أَوْ يُوقِفُهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ
كَثِيرٍ ۝۴۳ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ
مَحِيصٍ ۝۴۴ فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُونَ ۝۴۵

تجوہ آیات
۳۶-۲۱

کیا ان کے کچھ شریک خدا ہیں جنہوں نے ان کے لیے وہ دین ٹھہرایا ہے جس کا اذن اللہ نے نہیں دیا؛ اور اگر فیصلہ کی مدت طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور بے شک ان ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ تم ظالموں کو اس دن دیکھو گے کہ وہ اپنی کمانی کے وبال سے لرزاں ہوں گے اور وہ ان پر پڑے رہے گا۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے وہ ہشتوں کے باغیچوں میں ہوں گے۔

ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ سب سے بڑا فضل
 و حقیقت یہی ہے۔ یہ چیز ہے جس کی بشارت اللہ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو
 ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ کہہ دو کہ میں اس پر تم سے کسی صلہ کا طالب تو
 ہوں نہیں بس قرابت کا حق ہے جو ادا کر رہا ہوں اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا تو ہم اس
 کے لیے اس میں بھلائی کی افزونی کریں گے۔ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی تدابیر فرماتا
 کرنے والا ہے۔ ۲۱-۲۳

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بندھا ہے! تو اللہ اگر چاہے تو تمہارے دل
 پر بند لگا دے اور اللہ اپنے کلمات کے ذریعہ سے باطل کو مٹاتا اور حق کو مستحکم کرتا ہے۔
 بے شک وہ دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول
 کرتا اور برائیوں سے درگزر فرماتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۲۴-۲۵
 اور قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور وہ ان کو
 اپنے فضل میں سے مزید عطا فرمائے گا۔ یہ ہے یہ کافر تو ان کے لیے ایک سخت عذاب
 ہے۔ ۲۶

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق کو کھول دیتا تو وہ زمین میں اودھم مچا دیتے
 بلکہ وہ ایک اندازے کے ساتھ اتارتا ہے جو چاہتا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے باخبر
 اور ان کو دیکھنے والا ہے اور وہی ہے جو اتارتا ہے بارش بعد اس کے کہ لوگ مایوس
 ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی حقیقی کارساز اور ستودہ صفات
 ہے۔ ۲۷-۲۸

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کیا جانا اور جو اس نے ان کے درمیان جانور پھیلانے میں اور وہ ان کے جمع کرنے پر بھی، جب وہ ان کو جمع کرنا چاہے گا

قادریہ - ۲۹

اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تمہاری کرتوتوں ہی کی بدولت پہنچتی ہے اور تمہاری بہت سی برائیوں سے وہ درگزر بھی فرماتا ہے اور تم نہ زمین میں خدا کے تابو سے نکل سکتے (اور نہ آسمان میں) اور اللہ کے مقابل میں تمہارا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار۔ ۳۰-۳۱

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہیں سمندروں میں چلنے والے، پہاڑوں کے مانند، جہاز اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے پس وہ سمندر کی سطح پر ٹھہرے ہی رہ جائیں۔ بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے۔ یا ان کو تباہ کر دے ان کے اعمال کی پاداش میں اور بہتوں سے درگزر فرمائے اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو ہماری آیات میں کٹ جیتی کر رہے ہیں کہ ان کے لیے کوئی مفر نہیں ہے۔ ۳۲-۳۵

پس جو کچھ بھی تمہیں ملا ہے وہ دنیوی زندگی کی متاع حقیر ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر اور پائیدار ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ۳۶

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ
الْفَصْلِ لَفُضِلَ بَيْنَهُمْ ۗ وَآتَى الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۲۱)

۱۱۔ یہاں استنکار و استعجاب کے مفہوم میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کا دین، جو اس نے اپنے تمام دینوں اور رسولوں کے ذریعہ سے بھیجا، وہ تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا تو یہ نیا دین کہاں سے آدھکا! کیا سے آنکلا!

ان کے کچھ شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایک ایسا دین گھڑ دیا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ یعنی اللہ کی منظوری کے بدون تو کوئی دین اللہ کا دین نہیں ہو سکتا تو یہ دین کہاں سے آیا؟ اگر ان کے کچھ شرکاء ہیں تو اللہ کا تو کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ محض ان کا وہم ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُتِنَ بِهِمْ ۗ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَ يَخِرُّونَ الْمُدُنَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ خِائِبِينَ ۗ وَمَنْ يَخِرُّ عَلَى أَعْقَابِهِ خِائِبًا فَانطأ ۗ وَمَنْ يَخِرُّ عَلَى أَعْقَابِهِ خِائِبًا فَانطأ ۗ وَمَنْ يَخِرُّ عَلَى أَعْقَابِهِ خِائِبًا فَانطأ ۗ وَمَنْ يَخِرُّ عَلَى أَعْقَابِهِ خِائِبًا فَانطأ ۗ

ہے کہ اگر اللہ نے ان کے فیصلہ کے لیے ایک وقت نہ مقرر کر لیا ہوتا تو ان کا قصداً ہی دنیا میں ابھی پاک کر دیا جاتا۔ پس ان کو جو مہلت ملی ہوئی ہے اس سے مغرور نہ ہوں بلکہ اللہ کے شکر گزار ہوں کہ وہ ان کے پکڑنے میں جلدی نہیں کر رہا ہے۔ اگر انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو یاد رکھیں کہ اس طرح کے ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ ظالمین سے مراد یہاں یہی شرکین ہیں جنہوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو چھوڑ کر ایک نیا دین شرک ایجاد کیا اور اس طرح خود اپنے ہاتھوں اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے۔

تَتَرَى الْمَظْلُومِينَ مُسْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ ۗ لَهُمْ مَّا يَشَاءُونَ وَعِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (۲۲)

یعنی آج تو یہ شرکین اپنے مزمومہ شرکاء کے بل پر آخرت سے نجات بیٹھے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اگر آخرت ہوئی تو ان کے شرکاء ان کی مدد کریں گے، انہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب قیامت آجائے گی اور بزدلیں دیکھیں گے کہ یہاں کوئی کسی کا شریک و شفیع نہیں ہے بلکہ ہر ایک کا واسطہ اس کے اعمال سے پڑنے والا ہے تو وہ اپنے اعمال کے وبال سے لرزاں ہوں گے لیکن ان کا یہ لرزاں و ترساں ہونا بالکل بے سود ہوگا۔ ان کے اعمال کا وبال لازماً ان کے سر پر پڑے گا اور کسی تدبیر سے بھی وہ اس کو دفع نہ کر سکیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا... البتہ جنہوں نے دیوبندوں پر اعتماد کرنے کے بجائے ایمان و عمل صالح کی زندگی گزاری ہوگی وہ جنتوں کے باغیچوں میں براجمان ہوں گے۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے۔

رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ میں رَوْضَاتِ سے مراد وہ ضمنی باغیچے اور لان ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وسیع جنت میں اہل جنت کی تفریح اور میر کے لیے بنے ہوں گے۔ رَوْضَاتِ بھی ایک سے زیادہ ہوں گے اور جنتیں بھی ایک سے زیادہ ہوں گی اس وجہ سے دونوں جمع کی صورت میں آئے ہیں۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ۔ اس کوڑے کا صحیح زور سمجھنے کے لیے اوپر آیت ۲۰ پر ایک نظر ڈال دیجیے۔ وہاں فرمایا ہے کہ اس دنیا کے طالب انہی خرف ریزوں کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں جو ان کے آگے ڈال دیے گئے ہیں حالانکہ اصلی فضل، جس کا لوگوں کو طالب ہونا چاہیے، یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل پر ایمان

بندوں پر فرمائے گا۔

ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهَ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۗ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نّٰنْزِلْهُ مِنْهَا حَسَنًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رّٰحِيْمٌ (۴۳)

یہ اس فضلِ عظیم کی عظمت واضح فرماتی ہے کہ اللہ اپنے باایمان بندوں کو ایک ابدی بادشاہی کی بشارت دے رہا ہے تو وہ اس کے لیے جدوجہد کریں اور ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑیں جو اسی دنیا کے خوفناک بندوں پر ریچھے ہوئے ہیں۔

قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۗ یہاں استنار میرے نزدیک منقطع اور فخریٰ مصدر کے مفہوم میں ہے جس طرح 'ذہنی' اور 'بشری' وغیرہ اس وزن کے دوسرے الفاظ ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ قریش کے ان بنو و غلط بیٹروں کو آگاہ کر دو کہ تمہاری تمام ناقدریوں، بے زاریوں اور تڑپوں کے دل آزاریوں کے باوجود، میں اس طرح جو اپنے رات دن تمہارے پیچھے ایک کیے ہوئے ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ یہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض پوشیدہ ہے۔ جس کے لیے خدا کی طرف سے اس فضلِ عظیم کی بشارت سے جس کا ادھر ذکر ہوا وہ بھلا تم سے کسی صلہ و منادفہ کا طالب کیا ہوگا! میری یہ ساری سرگرمیاں اور بے قراریاں اس وجہ سے ہیں کہ میں اس حقِ قربت و قرابت سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں جو تمہارے اور میرے مابین ہے۔ تم میرے خاندان اور میری قوم کے لوگ ہو اس وجہ سے مجھ پر یہ حق ہے کہ جو ہدایت اور آگاہی خدا کی طرف سے میں لے کر آیا ہوں اس سے سب سے پہلے تم کو آگاہ کر دوں اور جس رحمت کی منادی کر رہا ہوں اس میں سب سے پہلے تمہیں شریک کرنے کی کوشش کروں۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہمیشہ سے یہ سنت رہی ہے کہ انھوں نے اپنی حضراتِ انبیاء دعوت کا آغاز اپنے خاندان اور قبیلہ کے لوگوں سے کیا اور جب تک ان سے وہ مایوس نہیں ہو گئے ہیں اس وقت تک انھوں نے دوسروں کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ اسی سنت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اول اول یہ ہدایت ہوئی کہ *وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۗ اَلَا نُنزِّلُ الْكِتٰبَ لِقَوْمٍ اِلَیْهِمْ اَلْحَقُّ ۗ وَنَحْنُ نَزَّلُوْهُ لِقَوْمٍ اِلَیْهِمْ اَلْحَقُّ ۗ وَنَحْنُ نَزَّلُوْهُ لِقَوْمٍ اِلَیْهِمْ اَلْحَقُّ ۗ وَنَحْنُ نَزَّلُوْهُ لِقَوْمٍ اِلَیْهِمْ اَلْحَقُّ ۗ* اس وقت تک انھوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے مایوس نہیں کر دیا بالآخر جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپ کے قتل و اخراج کے مشورے ہونے لگے تب آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔

استاذہم اس آیت کو ذرا مختلف زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ اس استنار کو استدراک کے مفہوم میں لیتے ہیں اور آیت کی تاویل سورہ سبأ کی آیت *۞ بِمَنْ قُلْنَا مَا سَابَّ لَنَا مِنْ اَجْرٍ فَمَا لَهُمْ نَكْمًا* سے لیتے ہیں۔

إِلَّا عَلَى اللَّهِ (کہہ دو کہ میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو تمہارے ہی لیے مانگا ہے۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے) کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ میں جو تمہیں صلہ رحم، ادائے حقوق اور انفاق کی دعوت دیتا ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ یہ میں کوئی ذاتی غرض سامنے رکھ کر رہا ہوں بلکہ یہ تمہاری ہی دنیا اور آخرت کی بہبود کے لیے ہے۔ یہ مال تمہارے اختیار سے لے کر تمہارے ہی غر بار میں تقسیم کر دیا جائے گا لہذا اس طرح میں تمہیں مودت فی القربی کی راہ دکھا رہا ہوں۔ اس میں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوال زکوة سے اپنے اور اپنے اقرباء کے لیے کسی قسم کا استفادہ جائز نہیں رکھا تھا تاکہ اس طرح کی بدگمانی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

ان دونوں تاویلوں میں زیادہ بعد نہیں ہے اس لیے کہ انقطاع اور اشتراک دونوں ایک ہی نزع کی چیز ہے۔ تاہم دونوں میں کچھ فرق ہے۔ مجھے اگرچہ اپنی تاویل پر زیادہ اطمینان ہے تاہم میں مولانا کی تاویل کو غلط نہیں کہتا۔

میرے نزدیک آیت کی صحیح تاویل یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ عام طور پر لوگوں نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ میں تم سے کوئی اجر تو نہیں مانگتا، بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قربت ہے اس کی بنا پر میرے ساتھ حسن معاشرت کا بزناؤ رکھو۔ اس تاویل میں جو ضعف ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ حسن معاشرت کا سوال بھی ایک اجر ہی کا سوال ہے اور سورہ شعراء میں تمام انبیاء — نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام — کی زبان سے بالاتفاق منقول ہے کہ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّي، اُنْفُسِيْنَ دین تم سے اس چیز پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو بس خداوند عالم کے ذمہ ہے) کسی نبی نے بھی اپنی دعوت کے صلہ میں اپنی قوم سے اپنے ساتھ حسن معاشرت کی اپیل نہیں کی اس لیے کہ سارا جھگڑا تو دعوت ہی کی بنا پر تھا جب نبی کے لیے اس میں کوئی مداخلت برتنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی تو مخالفوں سے حسن معاشرت کی اپیل کرنے کے کیا معنی! قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو عناد تھا وہ محض آپ کی دعوت کی بنا پر تھا۔ وہ آپ کی ہر خواہش پوری کرنے اور آپ کا ہر حکم بجالانے کو تیار تھے بشرطیکہ آپ اپنی دعوت توحید سے باز آجائیں لیکن آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ میں اس دعوت سے باز نہیں آسکتا۔ اس کے بعد جب قریش کا رویہ مزید سخت ہوا تو آپ نے ان سے حسن معاشرت کی درخواست کرنے کے بجائے ان کو صاف الفاظ میں آگاہ کر دیا کہ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو، مجھے اگر اُمد کے برابر بھی سونا دے دیا جائے جب بھی میں اپنی دعوت سے باز آنے والا نہیں ہوں۔

بعض گمراہ فرقوں نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ میں اس دعوت پر تم سے بس یہ اجر مانگتا ہوں کہ میرے باقر بار کے ساتھ محبت کرو۔ یہ تاویل آیت کے الفاظ، دعوے نصوص اور عقل کے بالکل خلاف ہے لیکن

شرف کا

نقد نظر

صحیح تاویل واضح ہو جانے کے بعد اس کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جن لوگوں نے یہ تاویل کی ہے انہیں شاید یہ بات بھی یاد نہیں رہی کہ یہ آیت کئی دور کی ہے جب آپ کے خاص اقربا میں اکثر آپ کے جانی دشمن تھے، ان کے لیے لوگوں سے محبت کی اپیل کرنے کے کیا معنی!

وَمَنْ يَفْتَرِ حَسَنَةً نَّزَدْنَاهُ فِيهَا حَسَنًا طَارَاتِ اللَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ۔ مطلب یہ قریش کو ایک ہے کہ ان لوگوں کو یہ بھی بتا دو کہ تمہاری نیکی اور پرہیزگاری سے اللہ کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے کہ تم نے اس کی بندگی نہ کی تو اس کی خدائی میں کوئی رخصت پیدا ہو جائے گا بلکہ اس میں سراسر تمہارا ہی نفع ہے اس لیے کہ تم جو چھوٹی بڑی نیکی بھی کرو گے اس میں اللہ افزونی اور بڑھوتری دے گا اور اس کا صلہ تم ایک ابدی باوثاقا کی شکل میں پاؤ گے۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور لوگوں کی نیکیوں کی بڑی قدر افزائی فرمانے والا ہے۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی نظر انداز نہیں کرے گا بلکہ اس کی پرورش کر کے اس کو بڑھائے گا اور ایک بزرگوار کی صورت میں اس کو اپنے بندے کو عطا فرمائے گا۔

أَمْ يُفْتَوُونَ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ فَإِن يَشَاءِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ وَدَيِّحُ
اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۲۴)

یعنی اگر اس میزان عدل (قرآن) کے خلاف انہوں نے یہ فتویٰ اٹھایا ہے کہ یہ ہے تو تمہاری ایجاد لیکن محض لوگوں کو موعوب کرنے کے لیے تم نے اس کو چھوٹ موٹ اللہ سے نسبت دے رکھی ہے تو تمہارے اطمینان کے لیے یہ چیزیں کرتی ہے کہ تم نے اپنی خواہش سے یہ چیز پائی ہے اور نہ اپنی خواہش سے اس کو پاسکتے ہو بلکہ خدا ہی نے اس حشر منیف کو تمہارے اندر جاری کیا ہے اور وہ جب بھی چاہے اس کو رد کر سکتا ہے۔ یہی مضمون سورہ بنی اسرائیل میں یوں گزر چکا ہے۔

ذَكَرْنَا بِشَمْنَا كَذِبًا ۚ هَبَّتْ
بِأَيْدِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
تَمَّ لَا يَجِدُ لَكَ بِهِ عَيْنًا
وَكَيْلًا ۚ الْآدَمَةَ مِنْ رَبِّكَ
إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَإِيْرَاهِ
اور اگر تم چاہیں تو اس کو سلب کر لیں جو ہم نے
تمہاری طرف وحی کی ہے۔ پھر تم کسی کو ہمارے
مقابل میں، اس کو واپس دلانے کے لیے وکیل نہ
بنا سکو۔ یہ محض تمہارے رب کا، تمہارے اوپر
ایک فضل ہے بے شک اس کا فضل تمہارے اوپر
بہت بڑا ہے۔

(بنی اسرائیل: ۸۶-۸۷)

وَيَسَّخُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۖ ۚ 'داؤ' عالیہ ہے اور 'یسخ' کا عطف 'يُحْتَمِمْ' پر نہیں ہے بلکہ یہ الگ جملہ ہے۔ یہ دراصل 'يُحْمَوُ' ہے لیکن مصاحف کے رسم الخط میں اس طرح کی 'داؤ' بعض جگہ ساقط کر دی گئی ہے، مثلاً 'يَسَّخُ الْبَاطِلَ' یا 'يَسَّخُ الْبَاطِلَ' وغیرہ۔

یہی اور پر والی بات کا دوسرا پہلو ہے کہ جو لوگ اس قرآن کو انتراز قرار دیتے ہیں کیا وہ اس کے

اثر کو نہیں دیکھتے کہ اللہ اپنے ان کلمات کے ذریعہ سے باطل کو مٹا اور حق کا اثبات کر رہا ہے۔ انفرار ہمیشہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ باطل کو مٹائے اور حق کو جاگ کر کرے بلکہ اس کا کام اس کے بالکل برعکس ہے۔ ذرا مختلف الفاظ میں یہی بات سیدنا مسیح سے ان لوگوں کے جواب میں منقول ہوئی ہے جو آپ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ آپ بدروحوں کو بدروحوں کے سردار بعلزبول کی مدد سے نکالتے ہیں۔ آپ نے ان معترضین کو یہ جواب دیا کہ اگر میں نے شیطانوں کو شیطان ہی کی مدد سے نکالا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ شیطان خود ہی اپنا دشمن بن گیا۔ یہی بات یہاں ارشاد ہوئی کہ اگر یہ کلام انفرار اور اس کا پیش کرنے والا منقری ہے تو اس کا اثر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی صورت میں نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس نکلتا تھا۔ دنیا میں کس منقری نے اس طرح کا فیض بخش اور ارواح و قلوب کو متورک کرنے والا کلام پیش کیا ہے جس طرح کا کلام یہ قرآن ہے!

مناہین کو تنبیہ
 اِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ یہ ان کو تنبیہ ہے جو قرآن کو انفرار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منقری قرار دے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے یہ نفلہ اٹھایا تھا وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ قرآن انفرار ہے اور نہ اس کا پیش کرنے والا منقری ہے۔ ان کو قرآن کی جلالت کا بھی اچھی طرح اندازہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی عظمت کا بھی۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ قرآن حق ہے اور اس کا پیش کرنے والا ایک بے داغ کردار کا انسان ہے لیکن چونکہ وہ قرآن کو اللہ کی کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننے کے لیے تیار نہیں تھے اس وجہ سے اپنے دل کی آواز کے بالکل خلاف اس طرح کی باتیں گھڑتے اور پھیلاتے تھے۔ ان کی اسی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دھکی دی کہ خدا تمہارے دلوں کے بھیدوں سے اچھی طرح واقف ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر کیسے اور زبانوں سے تم کیا کہہ رہے ہو!

وَهُوَ السَّمِيعُ الَّذِي يَخْبُرُ الْكُفْرَانَ
 وَهُوَ السَّمِيعُ الَّذِي يَخْبُرُ الْكُفْرَانَ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ (۲۵)

تو بار اصلاح
 کی ترضیب
 یہ ان لوگوں کو توبہ اور اصلاح کی ترضیب ہے کہ اب بھی موقع باقی ہے کہ تم چاہو تو توبہ و اصلاح کر کے اپنے کو خدا کے غضب سے بچا سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان اور اپنے بندوں کے گناہوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ جو تم کو رہے ہو اس سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔ اپنا کوئی جرم بھی اس سے چھپانہ سکو گے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَفُورٌ فَهَمُّ
 عَذَابٍ مُّسْتَبِئِبٍ (۲۶)

یہ اہل ایمان کی روش اور ان کے انجام کو ان کے سامنے رکھا ہے کہ جس طرح انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی ترضیب پائی اور اس کے صلہ میں ان پر دنیا و آخرت میں مزید افضال ہوں گے اسی طرح یہ لوگ بھی

چاہیں تو ان افضال کے سزاوار بن سکتے ہیں در نہ یاد رکھیں کہ کفار کے لیے خدا کے ہاں سخت عذاب ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يٰۤاِهْلَ الْبَيْتِ مِنْكُمْ لِيَرْحَمِكُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ ذُو الْاَرْحَامِ (۳۶) (قبول تو وہی کریں گے جو بات گوش دل سے سنتے ہیں۔ رہے مردہ دل تو اللہ ان کو اٹھائے گا.....)۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادٍ لَّكُنُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَكٰنٌ يُّنَزَّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ اِنَّهٗ لَبِعٰدٍ ۙ خٰسِرٌ بَصِيْرٌ (۲۷)

یعنی یہ لوگ اگر اپنی دنیا کی دولت اور ثروت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھے بیٹھے ہیں اور اس غریبی میں پیغمبر اور اس کے غریب ساتھیوں کو خاطر میں نہیں لارہے ہیں تو یہ محض ان کی خود فریبی ہے۔ دنیا کی دولت و ثروت کسی کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ یہ چیز محض امتحان کے لیے ہے اور اللہ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق کافر و مومن دونوں کو یہ دیتا اور دونوں کا امتحان کرتا ہے۔ یہ چیز تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ بندوں کے حالات و مصارع سے اچھی طرح باخبر ہے اس وجہ سے اپنی حکمت و مصلحت کے تحت جس کے لیے چاہتا ہے اس کو تنگ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور اس طرح ان کے مہربان شکر کا امتحان کرتا ہے۔ وہ چاہتا تو اس کے دروازے سب کے لیے نہایت کشادہ کر دیتا کہ لوگ جتنا چاہیں اس میں سے سمیٹ لیں لیکن یہ چیز ان لوگوں کے لیے بہت بڑا نکتہ بن جاتی، لوگ اس کے نشہ میں سرکشی و بغاوت کے راستہ پر چل پڑتے۔ اس نکتہ سے لوگوں کو بچانے کے لیے اللہ نے یہ معاملہ تمام تر اپنے اختیار ہی میں رکھا ہے۔ وہی اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق جتنا رزق چاہتا ہے اتنا دیتا ہے۔ اگر کسی کو اس نے زیادہ دیا ہے تو وہ اس گنہگار میں نہ مبتلا ہو کہ یہ اس کی اپنی تدبیر و قابلیت کا کرشمہ یا اس کا اور اس کے آباد و آباد کا حق ہے بلکہ اس رب کا شکر گزار رہے جس کے اختیار میں بخشا بھی ہے اور بخش کر چھین لینا بھی۔

یہ مضمون آگے دالی سورہ — زخرف — میں جو اس کی توام سورہ ہے، اس سے

زیادہ وضاحت کے ساتھ آیا ہے۔

اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں بیستوں — مکیا
طائف — کے کسی بڑے سردار پر کیوں نہیں اتارا
گیا! کیا تیرے رب کے فضل کے تقسیم کرنے والے ہی
ہیں! دنیا میں ان کی معیشت کی تقسیم ہم نے کی ہے
اور ان کے دیرے ایک دوسرے پر بلند کیے ہیں تاکہ
ان میں سے ایک دوسرے کا تعاون حاصل کر کے اور

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ
عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَدِيْمِيْنَ
عَظِيْمٍ هِ اَهُمْ لَيَفْسِمُوْنَ رَحْمَتَ
رَبِّكَ ؕ وَنَحْنُ قٰسِمٰٓيْنٰهُمْ
مَعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَرَدَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُرِّيًّا ۗ
 وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ۗ
 وَلَوْلَا اَنْ يَكُونَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً
 لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ
 لِيُؤْتِيَهُمْ مِّنْ فَضْلَةٍ
 وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ۗ وَبِئْسَ
 اَبْوَابًا وَسُورًا عَلَيْهَا يُتَكَبَّرُونَ ۗ
 وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا
 مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
 لِّلْمُتَّقِيْنَ (۳۱-۳۵)

تیرے رب کا فضل ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو
 وہ جمع کیے ہوئے ہیں۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ
 سب ایک ہی ڈگر پر چل پڑیں گے تو ہم ان لوگوں
 کے گھروں کی چھتیں جو خدا کے رحمان کا کفر کرتے ہیں،
 چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی جن پر وہ چڑھتے۔
 اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی
 جن پر وہ ٹیک لگا کر بیٹھے، اور یہ چیزیں سونے
 کی بھی بنا دیتے۔ یہ دنیاوی زندگی کی چند روزہ تاع
 ہے اور آخرت کی کامرانی تیرے رب کے پاس
 متقیوں کے لیے ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ط وَهُوَ الَّذِي

الْحَمِيدُ - ۲۸

یہ دلیل ہے اس بات کی جو اوپر ارشاد ہوئی ہے کہ اللہ ہی اپنے انداز سے کے مطابق بندوں کے لیے
 رزق اتارتا ہے، نہ بندوں کو اس معاملے میں کچھ اختیار ہے نہ ان کے مزعوم مشرک کو۔ فرمایا کہ اللہ ہی
 اتارتا ہے بارش بعد اس کے کہ لوگ بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ بارش کا ذکر خاص طور پر اس وجہ سے
 فرمایا کہ معاش کا تمام تر انحصار اسی پر ہے۔ اور مِمَّنْ بَعْدَ مَا قَنَطُوا سے مقصود اس حقیقت
 کی طرف اشارہ ہے کہ ان تمام لوگوں کو جن کو اپنی تدبیر، اپنے استحقاق، اپنے وسائل و ذرائع اور اپنے
 شرکاء و شفعاء پر ناز ہے، اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ آسمان کے بند دریچوں کو کھولنا اس کے
 خالق کے سوا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی یہ شان اسی لیے وقتاً فوقتاً
 دکھاتا رہتا ہے کہ کوئی اس غرتے میں نہ مبتلا ہو کہ رزق و فضل کسی کی میراث ہے یا اللہ تعالیٰ کے سوا
 کوئی اور اس کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي الْحَمِيدُ - یہ غلام سامنے رکھ دیا ہے کہ آئے دن کا یہ شاہدہ اس بات کی دلیل ہے
 کہ کارساز حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ حمید یعنی ستودہ صفات اور تمام سزاوار حمد و شکر کا
 کا منبع ہے۔ اس حیات چند روزہ میں وہ ان لوگوں کو بھی اپنے رزق سے محروم نہیں کرتا جو اسی کے
 رزق پر پلٹے اور اسی کو حلیج کرتے ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَابَّةٍ وَّهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ اِذَا

يَشَاءُ قَدِيرٌ (۲۹)

یعنی کسی کو یہ مفاد بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ان کو عذاب و قیامت سے جو ڈرایا جا رہا ہے یہ ایک اور معنی دھکی ہے۔ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔ یہ وہی دلیل ہے جو دوسرے مقام میں یوں ارشاد ہوئی: **أَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمَّ السَّمَاءِ بِمَا أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ** دیکھا تمہارا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے۔ یا اس آسمان کا جس کو بلند کیا۔

لفظ **دَابَّةٌ** زمین کی جاندار چیزوں کے لیے آتا ہے اس وجہ سے مکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا آسمانوں میں بھی اس طرح کی کوئی مخلوق پائی جاتی ہے جس پر **دَابَّةٌ** کا اطلاق ہو سکے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یہاں **دَمَابَّتْ فِيهَا مِثْلُ دَابَّةٍ** میں منشی کی ضمیر کیوں استعمال ہوئی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ لفظ **سَمَاءٌ** جس طرح آسمان کے لیے آتا ہے اسی طرح اس فضا کے لیے بھی آتا ہے جس میں پرندے پرواز کرتے ہیں۔ اس آیت میں **بَثَّ** اور **جَمَعَ** کا تقابل بھی نہایت بلیغ اور قیامت کی ایک نہایت دلنشین دلیل ہے **بَثَّ** کے معنی چھٹنے، بکھرنے اور پھیلانے کے ہیں اور **جَمَعَ** کے معنی اکٹھا کرنے اور سمیٹنے کے۔ اس سے یہ اشارہ نکلا کہ جس نے زمین اور فضا میں یہ تمام جاندار پھیلانے ہیں وہ ان کو جب چاہے گام جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب وہ بکھرنے پر قادر ہوا تو ان کو سمیٹنے سے کیوں قاصر رہے گا۔ جو کسان اپنے کھیت میں تخم ریزی کرتا ہے وہ نتائج کرنے کے لیے تخم نہیں بکھیرتا بلکہ وہ اس کا حاصل ایک دن جمع بھی کرتا ہے اور اس میں اس کو کوئی زحمت نہیں پیش آتی۔

وَمَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ دَوْلٍ وَلَا نَصِيرٍ (۳۱-۳۲)

یہ اسی اوپر والے شبہ کا ازالہ ایک دوسرے پہلو سے ہے۔ فرمایا کہ خدا کے قانون حجازت کا تجربہ تو تم اپنی روزمرہ زندگی میں بھی کر سکتے ہو۔ اس دنیا میں تمہیں جو دکھ بھی پہنچتے ہیں وہ تمہارے اعمال ہی کے نتیجے میں پہنچتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تمہاری بہت سی بد اعمالیوں سے درگزر بھی فرماتا ہے۔ یہ دکھ جو تمہیں پہنچتے ہیں تمہاری تنبیہ و تذکیر کے لیے پہنچتے ہیں تاکہ تم اس دنیا کو باز چھوڑو اور اس میں لایا لیا زندگی نہ گوارو بلکہ ان تنبیہی واقعات سے یہ سبق حاصل کرو کہ اس کا خالق جزا اور سزا دینے والا ہے اور وہ ایک دن تم کو جمع کر کے تم سے فرود مواخذہ فرمائے گا۔ اگر آج وہ تمہیں ڈھیلے رہا ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ اس کو تمہارے خیر و شر سے کوئی تعلق نہیں یا تمہارے شر ہی کو اس نے خیر کا درجہ دے دیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے کامل جزا و سزا کے لیے ایک خاص یوم الفصل مقرر رکھا ہے جو لازماً آ کے رہے گا۔

وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ میں لفظ **عَفُوٌّ** درگزر کرنے کے معنی میں ہے۔ اس معنی میں اس کا استعمال جگہ جگہ ہوا ہے۔

فَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْكَرْبِ - یعنی یہ بھی تم اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ جب اللہ تعالیٰ تم پر اپنی کوئی آفت زمین میں نازل کرنا ہے تو تم اس کے تابو سے باہر نہیں نکل پاتے اور نہ تمہارا کوئی کارساز و مددگار تمہاری بگڑھی بنانے یا تمہاری حمایت و مدافعت کے لیے اٹھتا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اسی طرح آسمان میں بھی قیامت کے دن، تم کو خدا کی پکڑ سے نہ کوئی شریک و شفیع بچا سکے گا اور نہ کوئی عامی مددگار۔

یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ خطاب کفار سے ہے جن کو اس دنیا میں جو تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں ان کے اعمال کی یاداش ہی میں پہنچتی ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا خالق جزا اور سزا دینے والا ہے اس وجہ سے وہ ایک ایسا روز جزا ضرور لائے گا جس میں ان کے ان جرائم کی بھی وہ سزا دے گا جن سے اس دنیا میں وہ درگزر کر رہا ہے۔ اس آیت کا تعلق انبیاء اور صدیقین و صالحین سے نہیں ہے۔ ان کو جو مصائب پیش آتے ہیں وہ ان کے اعمال کی سزا کے طور پر نہیں بلکہ ابتلا کے طور پر پیش آتے ہیں، جن سے مقصود ان کے صبر کا امتحان ہوتا ہے اور یہ امتحان ان کے مدارج کی بندی کا ذریعہ بنتا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ إِنَّ يَسَاءُ لِمَنْ يَكْفُرْ بِالْوَيْحِ فَيُظَلَّلَنَّ دَوَاكِدًا عَلَىٰ خَلْقِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ أَوَلَمْ يَهْتَمَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُعَادُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ (۳۲-۳۵)

یہ ان لوگوں کے سامنے ایک مثال پیش کی ہے جو اپنی دنیوی کامیابیوں پر مگن ہیں کہ اس دنیا کی دنیا کی کامیابی پر مغروروں کے زندگی کو کشتی کے سفر کی مانند سمجھو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے کہ پہاڑوں کے مانند بحاری بحاری جہازات سمندر کے سینہ پر دوڑتے پھرتے ہیں۔ جن لوگوں کی نظر خدا کی قدرت پر نہیں ہوتی وہ جب جہاز کو رواں دواں دیکھتے ہیں تو مگن ہو کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس کو کوئی خطرہ بھلا کہاں سے اور کس طرح پیش آسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک دے اور یہ جہازات اپنے مسافروں سمیت سطح سمندر پر ہی پڑے رہ جائیں یا ان کو ان کے مسافروں سمیت ان کی جگہ ہی پر غرق کر دے اور کوئی ان کو بچانے والا نہ بنے۔ اس تشبیہ میں اگرچہ پیش نظر باد بانی جہازات ہیں اس لیے کہ اس وقت تک یا باد بانی جہازات ہی وجود میں آتے تھے لیکن ٹھیک ٹھیک یہی تشبیہ آج کے ترقی یافتہ جہازوں پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ آج سائنس کی ترقیوں نے انسان کو اسٹیم، بجلی اور ایٹم کو کنٹرول کرنے کا سلیقہ سکھا دیا ہے جس سے اس کی طاقت میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے لیکن آج بھی ہم آئے دن بڑے بڑے بحری جہازوں کے متعلق اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ تباہی کی طرح پانی میں بیٹھ جاتے ہیں، یا ان کی بحاری مشینری اس طرح معطل ہو جاتی ہے کہ ایک لاشہ لے جان کی طرح ان کو دوسرے جہازات گھسیٹ کر ساحل پر پہنچاتے ہیں۔

إِنَّ فِي ذَلِكْ لَآيَاتٍ لِّعَٰكِلٍ مُّشْكُورٍ۔ یہ اس سبق کی طرف اشارہ ہے جو اس تشیل میں
 مضمر ہے۔ فرمایا کہ اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی عبرتیں پوشیدہ ہیں جو صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے
 ہیں۔ یعنی جو لوگ زندگی کے حالات و واقعات پر سنجیدگی سے غور کرتے ہیں وہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے
 ہیں کہ اگر کسی کو ناسازگار حالات پیش آئیں تو اس کو مایوس و دل شکستہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے رب
 کے بھروسے پر صبر کرنا چاہیے۔ اس دنیا میں انسان کو جو کچھ پیش آتا ہے خدا کے حکم ہی سے پیش آتا ہے
 اور خدا کا کوئی کام بھی حکمت سے غائب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی کو سازگار حالات میسر آئیں تو اس
 کو اترا نے اور فخر کرنے والا نہیں بن جانا چاہیے بلکہ اپنے رب کا برابر شکر گزار رہنا چاہیے اس لیے کہ بندے
 کو جو کچھ بھی ملتا ہے خدا ہی کے دیے ملتا ہے اور وہ جس طرح دینے پر قادر ہے اسی طرح چھین لینے پر
 بھی قادر ہے۔ جو لوگ اس حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہیں ان کو نعمت مغرور اور مصیبت مایوس بناتی ہے۔
 وہ کہیں ایمان کی حلاوت سے آشنا نہیں ہوتے۔ آگے اسی سورہ میں اسی طرح کے لوگوں کا ذکر ان الفاظ
 میں ہوا ہے: **وَلَا تَأْتُوا مَوَدَّةَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَن يَكْتُمُونَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ لِيُرْسِلُوا إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالنَّفْثَ مِن دُونِكُمْ لَمَّا صَبَرْتُمْ**
وَيَسْتَكْبِرُوا۔ (اور جب ہم انسان کو
 اپنے کسی فضل سے نوازتے ہیں تو وہ اس پر اترتا ہے اور اگر اس کو اس کے اعمال کی پاداش میں کوئی مصیبت
 پہنچ جائے تو ناسکر بن جاتا ہے)۔

أُولَٰئِكَ يَلْمُوكَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لِيُؤْذَنُوا بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ۔ اس کا عطف اوپر والے جملے **إِنَّ يَشَاءُ يَكُونُ**
الذُّبِجُ پر ہے۔ **إِنَّ فِي ذَلِكْ**... **الآيَاتِ وَاللَّفْقَةِ بِيحٍ** میں، بطور جملہ معترضہ، اس تشیل کے مقصد کی طرف
 توجہ دلانے کے لیے آگیا ہے۔ جملہ معترضہ کے بعد بات پوری کر دی گئی کہ جس طرح وہ نادار ہے
 کہ ہوا اور دک کر جہازوں کو سطح سمندر ہی پر ساکن کر دے اسی طرح وہ اس بات پر بھی قادر ہے
 کہ ان کو ان کے مسافروں کے اعمال کی پاداش میں غرق کر دے اور چاہے تو ان میں سے بہتوں کے گناہوں
 سے درگزر فرمائے اور وہ بھنور سے نکل کر نجیریت ساحل پر پہنچ جائیں۔ ان تینوں میں سے ہر بات
 اس کے اختیار میں ہے اس وجہ سے اس دنیا میں کسی کے لیے اپنی کسی کامیابی پر مغرور ہونا جائز نہیں
 ہے بلکہ کامیابی حاصل ہوتی ہے اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اور کوئی اقتدا پیش آئے تو اس کو اپنی کسی
 کوتاہی کا نتیجہ سمجھ کر صبر کرنا چاہیے اور اللہ سے خیر کی امید رکھنی چاہیے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ۔ یہاں **يَعْلَمُ** حالت نصب میں ہے **عَدْوً**
 اس وجہ سے اس کا معطوف علیہ **عَدْوً** ماننا پڑے گا۔ اس قسم کے **عَدْوً** کی متعدد مثالیں صحیحے بھی گذر
 چکی ہیں اور آگے بھی آ رہی ہیں **مَثَلًا وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلَتَجْزِي كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ**
دَالِجَاتٍ (اور آسمانوں اور زمین کو اس نے غایت کے ساتھ پیدا کیا) تاکہ وہ ایک روز عدل لائے

اور تاکہ ہر جان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے، اسی اصول پر یہاں کوئی مناسب تعلیل مفروضہ، ماننی پڑے گی۔ گویا پوری بات یوں ہوگی کہ تاکہ اللہ ان سے انتقام لے اور تاکہ آیاتِ الہی میں کٹختی کرنے والوں پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ان کے لیے خدا سے بھاگ سکنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ مضمون قرآن میں جگہ جگہ مختلف اسلوبوں سے آیا ہے۔ ہم ایک نظیر سورہ یونس سے پیش کرتے ہیں۔

فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي
الْفُلِّ وَجَرْتُمْ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ
وَفُوحًا بِهَا جَاءَ تَهَارِيجٌ مَّا صَفَّ
وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَ
ظَنُّوْا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ لَدَعَوْا اللَّهَ
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ؕ لَسْنَا
أَنْجِيْتَنَا مِنْ هَذَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الشَّاكِرِيْنَ ؕ فَلَمَّا أَنْجَيْنَاهُمْ إِذَا هُمْ
يَبْغُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَعَثْنَا عَلَىٰ الْقَوْمِ
مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا نَسُوا لَنَا
مَوْجِعَكُمْ فَنَنصِتُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ (يونس : ۲۲-۲۳)

پھر ہم تم کو تباہیں گے جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔

فَمَا أَوْتَيْنَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَلْبَسَ
لِلَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ خِيْرًا وَسَيُؤْتِيْكَمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ غَيْرَ مَقْدُوْرٍ ۗ (۳۶)

یہ آخر میں اوپر والی بحث کا خلاصہ سامنے رکھ دیا ہے کہ یہ دنیا کی جو نعمتیں تمہیں ملی ہیں، انہیں اور نخر
کرنے کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ اس حیاتِ چند روزہ کی متاع ہیں۔ ایک دن بالآخر یہ زندگی بھی ختم ہو جائے گی
اور اس کا یہ سرو سامان بھی۔ البتہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے کہیں بہتر اور
ابدی ہے جو ان لوگوں کا حصہ ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے
کہ اگر حوصلہ ہے تو اس کے چاہنے والے بنو۔ اس دنیا کی متاعِ حقیر کے پیچھے کیوں اپنی عاقبت برباد
کر رہے ہو۔

یہاں وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ کے الفاظ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جو لوگ آخرت کی ابدی بادشاہی کے طالب ہوں ان کے لیے اس راہ میں اصلی زاد راہ توکل ہے۔ جب تک کسی کے اندر یہ حوصلہ نہ ہو کہ اس دنیا کی جو چیزیں خدا کی راہ میں مزاحم ہوں ان کو خدا کے بھروسہ اور آخرت کے صلہ کے اعتماد پر پلاق دے سکے اس وقت تک کوئی شخص یہ ابدی بادشاہی حاصل نہیں کر سکتا۔

۶۔ آگے کا مضمون — آیات: ۳۷-۴۳

آگے کی آیات میں مذکورہ بالا اجر کے مستحقین کی کچھ اور صفاتیں بیان فرمائی ہیں جن سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو مسلمان اس دور میں قریش کے مغروروں کے ہاتھوں ہر قسم کے مظالم کا ہدف بنے ہوئے تھے یہاں تک کہ ان کے مظالم سے تنگ آکر اپنے گھر در چھوڑنے پر مجبور ہو رہے تھے، وہی اس کے اصلی حق دار ہیں۔ یہ سورہ، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، ہجرت کے بالکل قریب نازل ہوئی ہے اس وجہ سے ان صفات کے بیان کا انداز کچھ اس طرح کلہ ہے جس میں مسلمانوں کے لیے فوج باب کی بشارت بھی ہے اور آگے کے مراحل میں ان کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں سے متعلق بعض ضروری ہدایات بھی۔ گویا ہجرت سے پہلے ہی ان کو یہ بتا دیا گیا کہ اب تک وہ منتشر افراد کی صورت میں تھے لیکن اب اللہ تعالیٰ ان کو ایک ہیئت اجتماعی و سیاسی میں منظم کرنے کی شکل پیدا کر رہا ہے۔ اب تک وہ مظلوم تھے لیکن اب وقت آ رہا ہے کہ وہ اپنی مدافعت کی قوت بھی حاصل کریں گے اور اس کے لیے اللہ کی طرف سے مجاز بھی ہوں گے۔ ان پیش آنے والے حالات میں ان کو کیا رویہ اختیار کرنا ہے اس کی طرف ان آیتوں میں رہنمائی کی گئی ہے لیکن اس رہنمائی کا انداز امر و حکم کا نہیں بلکہ ایمان اور توکل کے لازمی مقنیات کے بیان کا ہے۔ — اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كِبْرًا لِّاسْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَإِذَا مَا غَضِبُوا
 ۴۲-۴۳ آیت
 هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
 وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ
 إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۳۹﴾ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ
 مِّثْلُهَا فَمَنْ عَمَاوَأْصَلَحَ فَاجْزُوهُ عَلَىٰ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

الظَّالِمِينَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَنْ أَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ
مِنْ سَبِيلٍ ﴿۳۱﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ
وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ﴿۳۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَصَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۳۳﴾

۳۳

ترجمہ آیات
۳۳-۳۷

اور وہ بچتے ہیں بڑے گناہوں اور کھلی ہوئی بے حیائیوں اور جب غصہ ہوتے
ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں اور وہ جنھوں نے اپنے رب کی دعوت پر ٹھیک کہی
اور نماز کا اہتمام کیا اور ان کا نظام شوریٰ پر ہے اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق بخشا ہے
اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۳۷-۳۸

اور وہ کہ جو انتقام لیتے ہیں اس وقت جب ان پر تعدی ہوتی ہے اور کسی برائی
کا بدلہ اس کے برابر کے عمل سے ہے۔ پس جس نے درگزر کی اور اصلاح کی تو اس کا اجر
اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جنھوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد
بدلہ لیا تو ان کے اوپر کوئی الزام نہیں۔ الزام ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم اور زمین میں بغیر
کسی حق کے سرکشی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ۳۹-۴۰
اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ عزیمت کے اوصاف میں

سے ہے۔ ۴۳

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ إِثْمِهِمُ وَالْفَوَاحِشَ مَا ذَا مَا غَضِبُوا لَهُمْ

يَغْفِرُونَ (۳۷)

یعنی یہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جو خدا کی نعمتیں پا کر ظلم بے حیائی اور بغی و طغیان میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بے حیائی اور غصہ و انتقام کی قسم کے تمام بڑے جرائم سے اجتناب کرنے والے ہیں۔ اس اسلوب بیان میں مخالف گروہ پر جو تعریف ہے وہ وضاحت کی محتاج نہیں ہے اور غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہاں تمام برائیوں کو تین عنوانوں کے تحت سمیٹ دیا گیا ہے: اثم، فحشاء اور غضب۔ اثم سے مراد وہ برائیاں ہیں جو حق تلفی، نا انصافی اور ظلم کی نوعیت کی ہوں۔ فحشاء سے وہ برائیاں مراد ہیں جو شہوات اور خواہشاتِ نفس کی راہ سے ابھری ہیں۔ غضب، اناہیت، خود سری اور اشکبار سے وجود میں آتا ہے اور طغیان و فساد اور بغی و جبر کو جنم دیتا ہے۔

یہاں اثنی عشریوں کے مرتکب گناہوں سے بچنے کے لئے مذکور ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان خیر و شر کے دو متضاد اعمال کی کشمکش کے اندر امتحان میں ڈالا گیا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ اس سے یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل معصوم ہو کر زندگی گزارے۔ اگر یہ بوجھ اس پر ڈالا جاتا تو یہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے صرف یہ چاہا ہے کہ وہ بڑے گناہوں سے بچنے کی لوری کو شش کرے۔ اگر وہ بڑی برائیوں سے بچتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی چھوٹی غلطیوں سے درگزر فرمائے گا۔

دوسری یہ کہ چھوٹی برائیوں سے بچنے کا بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ آدمی بڑی برائیوں سے اجتناب کرے۔ جو شخص بڑی بڑی امانتیں ادا کرتا ہے اس کا ضمیر اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوتا کہ وہ کسی کی چھوٹی سی امانت میں خیانت کر کے فائن کھلانے کا ٹنگ گوارا کرے۔ اسی طرح اللہ کا جو بندہ بڑی برائیوں سے اپنے کو بچاتا ہے وہ یہ نہیں پسندتا کہ چھوٹی چھوٹی برائیوں کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اجر کو بر باد کرے۔ جو شخص اثر فیوں کی چوری سے اجتناب کرے گا وہ دھیلا اور پیسے کی چوری کرنے والا نہیں بنے گا۔ اگر اس طرح کی کوئی حرکت اس سے صادر ہوگی بھی تو سہواً ہی ہوگی، عمدہ نہیں ہوگی۔ البتہ جو لوگ چھوٹی چھوٹی برائیوں کو اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ اونٹ کو نکل جانے والے ہوتے ہیں۔

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ کے اسلوب بیان سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں تک غصہ کے آنے کا تعلق ہے وہ تو ان کو آتا ہے اس لیے کہ غصہ انسان کی حیثیت، غیرت اور عزتِ نفس کا ایک فطری تقاضا ہے لیکن یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس غصہ سے بے قابو ہو کر اپنی عقل سے درست بردار اور خدا کے حدود سے متجاوز ہو جائیں بلکہ وہ اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھتے ہیں اور ان لوگوں کو معاف کر دیا کرتے ہیں جن کی حرکتیں اگرچہ غصہ دلانے والی ہوتی ہیں لیکن مختلف وجوہ سے وہ مستحق ہوتے ہیں کہ ان سے درگزر کی جائے۔ اس میں درپردہ مسلمانوں کو اس بات کی تلقین بھی ہے کہ ہر چند تمھارے دشمنوں کا رویہ نہایت اشتعال انگیز ہے لیکن ابھی یہی بہتر ہے کہ ان سے درگزر کرو۔

یہاں تک کہ ان پر اللہ کی حجت تمام ہو جائے۔ آگے کی آیات میں اس کی وضاحت آ رہی ہے۔ یہاں ضمیر 'ہم' کے اظہار سے جملہ میں یزور پیدا ہو گیا ہے کہ اگرچہ یہ کلام ہے نہایت کٹھن لیکن مستحق آفرین ہیں وہ لوگ جو یہ کر دے گھونٹ حلق سے اتارتے ہیں۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ س وَاَمْرًا
وَدَقَّتْهُمُ يَنْفِقُونَ (۳۸)

یہ ان صفات کا بیان ہے جن سے ان کے اندر وہ خوبیاں پیدا ہوئی ہیں جن کا ذکر ادنیٰ آیت میں ہوا ہے۔ فرمایا کہ انہوں نے اپنے رب کی اس دعوت پر لبیک کہی ہے جو اس کے رسول کے واسطے سے ان کو پہنچی ہے۔ قریش کے متکبرین کی طرح انہوں نے اس کو جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔ ان کی اسی خوبی کی طرف ادنیٰ آیت ۲۶ میں اشارہ فرمایا ہے: وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ اور اس کو قبول کر رہے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ ان کے لیے اپنے فضل میں افزودنی فرمائے گا۔

ایمان کا اولین منظر نماز ہے۔ یہ اس قبول کرنے یا بالفاظ دیگر ان کے ایمان کے اولین منظر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ دین کی اس حقیقت کا اظہار اس کتاب میں ہم جگہ جگہ کرتے آ رہے ہیں کہ ایمان کا سب سے پہلا عملی منظر نماز ہے۔ یہی اس کا اولین منظر بھی ہے اور پھر اسی سے دوسری نیکیاں ظہور میں بھی آتی اور اسی سے پروان بھی چڑھتی ہیں۔ اس وجہ سے جس نے نماز کا اہتمام نہیں کیا اس نے گویا ایمان کی دعوت بھی قبول نہیں کی۔ اگر وہ ایمان کا مدعی ہے تو اس کا یہ دعویٰ محض خود فریبی ہے۔

یہاں اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ اَقَامُوا الصَّلَاةَ کا مفہوم صرف نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ نماز کا اہتمام کرنا بھی ہے۔ یعنی وہ نماز پڑھتے بھی ہیں اور یہ اہتمام بھی کرتے ہیں کہ دوسرے بھی نماز پڑھیں۔ یہی نماز اور اہتمام نماز ان کی جماعتی زندگی کی خصوصیت اور اس دنیا میں ان کا اصلی امتیاز ہے۔ یہی نماز ان کو سکھاتی ہے کہ ان کو دنیا میں اپنے رب کی بندگی اور اس کے دین کی اقامت کے لیے کس طرح بنیان برسر بن کر زندگی گزارنی ہے اور یہی نماز اس فحشاء اور منکر سے ان کو روکتی ہے جن سے اجتناب کا ذکر ادنیٰ والی آیت میں ہوا ہے۔ نماز کی اس حقیقت کی طرف دوسرے مقام میں یوں اشارہ فرمایا گیا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (نساء: ۱) اور نماز اور ناراوا باتوں سے روکتی ہے۔ اس میں بھی قریش کے لیڈروں پر ترمیض ہے کہ نماز تو انہوں نے بر باد کر دی لیکن اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے اس گھر کے وارث ہونے کے مدعی ہیں جو نماز اور اہتمام نماز کے ایک مرکز کی حیثیت سے تعمیر ہوا تھا۔

وَاَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۗ — شوریٰ مصدر ہے 'فقیحہ' کے وزن پر اور اس کے معنی آپس میں مشورہ کرنے

ایمان کا اولین منظر نماز ہے

کے ہیں۔ لفظ امر عربی میں ہمارے لفظ معاملہ کی طرح بہت وسیع معنوں میں آتا ہے۔ اس کے صحیح مفہوم کا تعین موقع و محل اور سیاق و سباق سے کرتے ہیں۔ یہاں قرینہ پتہ دے رہا ہے کہ یہ لفظ جماعتی نظم کے مفہوم میں آیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کا جماعتی اور سیاسی نظم خود سری، انا نیت، خاندانی برتری، نسبی غرور پر مبنی نہیں ہے بلکہ اہل ایمان کے باہمی مشورہ پر مبنی ہے۔ اس میں قریش کے نظم سیاسی و اجتماعی پر جو تعریفیں ہے وہ محتاج و مباحث نہیں ہے اس لیے کہ ان کا نظم اجتماعی تمام تر خاندانی اور نسبی امتیاز پر قائم تھا۔ اسلام کی مخالفت کا ایک بڑا سبب ان کے لیے یہ بھی تھا کہ وہ اس دعوت کے فروغ پانے کی صورت میں اپنے اس جاہل نظام کی موت سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس آیت میں ایک طرف تو مسلمانوں کو یہ بشارت دے دی کہ ان کے لیے ایک ہیئت اجتماعی و سیاسی کی شکل میں نظم ہونے کا وقت آ گیا اور یہ نظم اجتماعی نسب اور خاندان کی اساس کے بجائے اہل ایمان کے باہمی مشورہ پر مبنی ہوگا، دوسری طرف درپردہ قریش کے لیڈروں کو یہ آگاہی بھی دے دی کہ اب تم خواہ کتنا ہی زور اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں صرف کرو لیکن انہی کمزور و مظلوم مسلمانوں کے ہاتھوں وہ نیا نظام آرہا ہے جو تمہارے اس فاسد نظام کی بساط الٹ کر رکھ دے گا۔

یہاں شورائی نظام کی خصوصیات اور اس کے اصول و مبادی پر بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث ہم اپنی کتاب — اسلامی ریاست — کی ایک مستقل فصل میں کر چکے ہیں۔ تفصیل کے طالب اس کو پڑھیں۔ البتہ ایک سوال یہاں قابل غور ہے کہ قرآن کا معروف اسلوب بیان تو یہ ہے کہ وہ نماز کے ساتھ بالعموم زکوٰۃ یا انفاق کا ذکر کرتا ہے لیکن یہاں اس معروف طریقہ کے خلاف نماز اور انفاق کے بیچ میں شوریٰ کا ذکر آ گیا ہے۔ آخر شوریٰ کی اہمیت کا وہ خاص پہلو کیا ہے جس کی بنا پر اس کو نماز کے پہلو میں جگہ دی گئی؟

ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے نظم اجتماعی کی روح اور اس کے قالب کی اصلی شکل نماز میں محفوظ کی گئی ہے۔ اسی کے اندر مسلمانوں کو دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ان کو اللہ کی بندگی کے لیے ایک بنیان مرموز بن کر کھڑے ہونا ہے، کس طرح اپنے اندر سے سب سے زیادہ علم و تقویٰ والے کو اپنی امامت کے لیے منتخب کرنا ہے، کس طرح لوگوں کو حدود الہی کے اندر اس امام کی بے چون و چرا اطاعت کرنی ہے، اور کس طرح امام اس بات کا پابند ہے کہ لوگوں کو کسی ایسی بات کا حکم نہ دے جو اللہ اور رسول کے کسی حکم کے خلاف ہو اور کس طرح اس کے ایک ادنیٰ مقتدی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ کوئی غلطی کرے تو وہ اس کو ٹوک دے یہاں تک کہ عین نماز کے اندر بھی رکوع، سجود، تیام، قعود یا تلاوت میں کوئی ادنیٰ فرد گزاشت بھی اس سے صادر ہو جائے تو اس کے پیچھے ہر نماز پڑھنے والا اس کو مستبہ کرنے کا ذمہ دار ہے اور امام کا یہ فرض ہے کہ اگر مقتدی کی تنبیہ مطابقت شریعت ہے تو وہ اس کو قبول اور اپنی غلطی کی فوراً اصلاح کرے۔ گویا اس طرح ہمارا پورا نظم اجتماعی نماز کی صورت میں شکل کر کے ہمیں یہ دکھایا گیا

کہ ہم اپنی سیاسی تنظیم میں اسی نمونہ کی پیروی کریں۔ اسی طرح اللہ کے دین کی اقامت کے لیے اپنی تنظیم کریں، اسی طرح اپنے اندر سے سب سے زیادہ اہل اور صاحب علم و تقویٰ کو اپنی قیادت کے لیے منتخب کریں، اسی طرح تمام معروف میں بے چون و چرا اس کی اطاعت کریں اور اگر اس سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو شریعت کے معروف کے خلاف ہو تو بے خوف و ہراس اس کو متنبہ کر کے اس کو صحیح راہ پر لانے کی کوشش کریں۔

نماز اور ہمارے سیاسی نظام کا یہ تعلق ہے جس کے سبب سے قرآن نے ٹھیک اس وقت جب مسلمان ایک ہیئت اجتماعی کی شکل اختیار کرنے والے تھے، ان کی رہنمائی شوریٰ کی طرف فرمائی اور اس شوریٰ کا ذکر نماز کے پہلو پہلو کر کے ایک طرف تو اس کی عظمت نمایاں فرمائی کہ دین میں اس کا کیا درجہ و مرتبہ ہے اور دوسری طرف اس کی تشکیل کی ذمہ داری بھی واضح فرمادی کہ اس میں امیر و مامور کے حقوق و فرائض کی صورت کیا ہوگی، کس طرح کے لوگ اس کی رکنیت کے لیے موزوں ہوں گے، جماعت اور خلقِ خدا سے متعلق ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوں گی اور ان کی اصلی مسئولیت کس کے آگے ہوگی۔

شوریٰ کی اہمیت اور نماز کے ساتھ اس کے تعلق کا یہی پہلو تھا کہ عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے دور میں اس کا انعقاد مسجد ہی میں ہوتا تھا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق تریبیت کی کتابوں میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ وہ شوریٰ کے انعقاد کا اعلان الصلوة جامعة کے الفاظ سے کرتے تھے۔ یعنی اہل شوریٰ نماز کے لیے جمع ہوں۔ جب اہل شوریٰ مسجد میں جمع ہو جاتے تو وہ دو رکعت نماز ادا کرتے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو دوسرے اہل شوریٰ بھی ان کی اقتدار میں نماز پڑھتے رہے ہوں گے۔ نماز اور دعا کے بعد حضرت عمرؓ مسئلہ زیر بحث پیش کرتے اور اہل شوریٰ اس پر اپنی رائیوں کا اظہار کرتے اور خلیفہ کی رہنمائی میں کسی متفق علیہ نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔

یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے حصول کے پہلو سے بھی نہایت بابرکت ہے اور اسلام کے نظم سیاسی کی اصل روح کے تحفظ کے نقطہ نظر سے بھی۔ لیکن اس دور میں مسلمانوں نے دوسری قوموں کی تقلید میں شوریٰ نظام کی جگہ نظام بھی دوسرے اختیار کر لیے اور مسجدوں سے بھی ان کا تعلق بالکل منقطع ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کی رہنمائی سے محروم ہو گئے اور ان کی باگ شیطاں اور اس کے ایجنٹوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اب پارلیمنٹوں کے ایوانوں میں جو دھینگا مٹتی ہوتی ہے اس کی مثال بازاروں میں بھی مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

وَمِمَّا ذَرَأْتُمُ الْيَتَامَانَ! نماز کے ساتھ انفاق یا زکوٰۃ کے تعلق پر اس کتاب میں جگہ جگہ مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا ایک سنون تو یہ ہے کہ اس کی نماز پڑھی جائے

اور اس کا دوسرا ستون یہ ہے کہ اس کے بچنے ہوئے رزق میں سے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ پہلی چیز بندے کا تعلق اس کے خالق سے استوار کرتی ہے۔ دوسری چیز خلق سے اس کو جوڑتی ہے۔ اور انہی دونوں اساسات پر تمام شریعت قائم ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ (۳۹)

اور آیت ۳۷ میں یہ جوار شاہد ہوا ہے کہ إِذَا مَا عَصَيْنَاهُمْ نَجُرُونَ۔ یہ اسی پر ایک قسم کا استدراک ہے کہ اول تو وہ مخالفوں کی غصہ دلانے والوں باتوں سے درگزر کرتے ہیں اور اگر کوئی جوابی کارروائی کرتے بھی ہیں تو اُس وقت جب ان پر کوئی صریح زیادتی کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی تعدی کے دفاع اور اس کے انتقام کا حق ہر شخص کو حاصل ہے اور اس حق سے وہ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن یہ نہیں ہے کہ ہر بات کو کسی اقدام کا بہانہ بنالیں بلکہ وہ بدلہ لیتے ہیں تو کسی 'بغی' کا لیتے ہیں۔ 'بغی' مخالف کی کسی کھلی ہوئی تعدی، سرکشی اور زیادتی کہہتے ہیں۔
وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ (۴۰)

پھر یہ کہ بدلہ لیتے بھی ہیں تو یہ نہیں کرتے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کریں۔ انتقام میں بلکہ وہ اس معاملے میں بھی پورا توازن قائم رکھتے ہیں۔ جواب میں صرف اتنی ہی کارروائی کرتے ہیں تو وزن جو برائی کے ہم وزن ہو۔

کوئی انتقامی کارروائی کوئی برائی نہیں ہے بلکہ قصاص ہے لیکن یہاں اس کو نَسِيَةٌ کے لفظ سے عربی زبان کے اس اسلوب کے مطابق تعبیر کیا گیا ہے جس کی وساحت اس کتاب میں جگہ جگہ ہر جگہ ہے کہ بعض اوقات الفاظ مجاہست کے اصول پر استعمال ہوتے ہیں مثلاً دَنَاهُمْ كَمَا دَنَاوا، ظاہر ہے کہ اس میں كَمَا دَنَاوا، بالکل كَمَا فَعَلُوا کے معنی میں ہے لیکن محض ہم آہنگی کے پہلو سے كَمَا فَعَلُوا، کی جگہ كَمَا دَنَاوا استعمال ہوا۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ کسی کے خلاف انتقامی کارروائی میں بھی کسی ایسے فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہے جو شریعت میں بہر شکل ممنوع ہے۔

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ؛ یعنی ہر چند اس بات کا حق تو ہر شخص کو حاصل ہے، انفرادی مسائل کہ اس پر تعدی کی گئی ہے تو وہ تعدی کے بقدر انتقام لے لے لیکن اس سے اعلیٰ رویہ ان لوگوں میں پسندیدہ رویہ کا ہے جو درگزر کریں اور معاملہ کو اصلاح کی راہ سے طے کرنے کی کوشش کریں۔ اصلاح کی راہ اصلاح کہ ہے اختیار کرنے میں اگرچہ جذبات کی قربانی کرنی پڑتی ہے لیکن اس کا اجر بہت بڑا ہے جن کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عام انفرادی واقعات میں زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو اصلاح ہی

کا طریقہ ہے، خواہ دونوں فریق خود باہم گرامتلاقی و تلافی کی کوشش کریں یا دوسروں کو اس کا ذریعہ بنیں یا دوسرے از خود بیچ میں پڑ کر مصالحت کرادیں۔

انتقام من
بقدر تعدی
باز ہے

اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ یہ ایک جامع بنیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی پر تعدی کرے تو وہ بھی اللہ کے نزدیک مبنوض اور اگر کوئی کسی کی تعدی کا جواب اس سے بڑھ کر تعدی سے دینے کی کوشش کرے تو وہ بھی مبنوض۔ پسندیدہ روش اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ تعدی کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور اگر یہ نہیں تو بقدر تعدی اس کا انتقام لے لیا جائے۔

وَلَمَنْ اَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ وَّاٰتَمَّ السَّبِيْلُ
عَلَى الَّذِينَ يَكْفُرُوْنَ النَّاسَ وَيَبْعُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۴۱-۴۲)

بَعْدَ ظُلْمِهِ میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے جس طرح سورہ روم کی آیت
وَلَمَنْ مِّنْهُمْ مَّنْ بَعْدَ عَلَيْهِمْ سَبِيْلُوْنَ (۳۱) میں ہے۔

ان لوگوں کے
شبہ کا جواب
جو انتقام کو
دینداری کے
خوف سمجھتے ہیں

یہ ان لوگوں کے شبہ کا جواب ہے جو دینداری کا ایک تقاضا یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آدمی دوسروں کے ہاتھوں پتتا رہے اور ان سے کوئی انتقام نہ لے۔ اگر کوئی انتقام لے تو یہ چیز دینداری کے خلاف سمجھی جاتی ہے اور اس کو بھی برابر کا مجرم سمجھ لیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ اس طرح کے معاملات میں الزام ان لوگوں پر نہیں ہے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیے جانے کے بعد انتقام لیا بلکہ الزام ان لوگوں پر ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور بلا کسی استحقاق کے خدا کی زمین میں سرکشی اور طغیان کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی زمین کا خالق اور مالک تو خدا ہے، ان کا کوئی دخل نہ اس کی تخلیق میں ہے نہ تدبیر میں۔ لیکن ان کا مطالبہ یہ ہے کہ کوئی ان کے آگے سر اٹھا کے نہ چلے۔ فرمایا کہ اصل مجرم یہ لوگ ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اگر ان کے جواب میں مظلوموں کو بھی کوئی اقدام کرنا پڑے تو اس کی مسئولیت ان مظلوموں پر نہیں بلکہ ان ظالموں ہی پر ہے جنہوں نے اس کی طرح ڈالی۔ سورہ ماہدہ کی آیت اِنِّیْ اُرْسِلْتُ اَنْ اُنۡبِیْءَ اٰرۡبَابِنۡہِمْ وَاٰتَمَّ السَّبۡیۡلُ (۲۹) کے تحت ہم جو کچھ لکھتے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِّنۡ عِندِ اللّٰهِ الْاَمُوْرُ (۴۳)

غلامی بحث

یہ آیت یہاں غلامی بحث کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے کئی باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ اگر تعدی کے بقدر انتقام کا حق ہر شخص کو حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدلی یہی ہے کہ لوگ صبر اور درگزر سے کام لیں۔

دوسری یہ کہ یہ درگزر صرف وہی لوگ کر سکیں گے جن کے اندر صبر کی خصیلت ہوگی۔ جن کے اندر یہ صفت نہیں ہے وہ یہ بازی نہیں کھیل سکیں گے۔ اس وجہ سے لوگوں کو اپنے اندر صبر کی صفت راسخ کرنی چاہیے۔

تیسری یہ کہ یہ کردار عزیمت کا کردار ہے۔ جو لوگ یہ کردار اپنے اندر پیدا کریں گے وہ ارباب عزیمت میں ہیں۔

یہ امر یہاں واضح رہے کہ ان باتوں کی طرف مسلمانوں کی رہنمائی ان حالات کے مقابلہ کے لیے کی گئی ہے جن سے وہ قریش کے ہاتھوں قرب ہجرت کے زمانے میں دوچار تھے اس وقت تک مسلمان نہ تو ایک منظم سیاسی طاقت بنے تھے اور نہ ابھی قریش پر دین کی حجّت ہی پوری طرح تمام ہوئی تھی۔ ہجرت کے بعد جب مسلمان ایک منظم طاقت بن گئے اور قریش پر حجّت تمام ہو گئی تو مسلمانوں کو من حیث الجماعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت ہوئی کہ اب مسلمان ان سے کلیتہً اپنے تمام روابط منقطع کر لیں اور اس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھیں جب تک یہ اسلام کے آگے سپر نہ ڈال دیں۔

۸۔ آگے کا مضمون — آیات: ۴۴-۵۰

آگے کی آیات کا تعلق اوپر آیت ۳۶ کے مضمون سے ہے۔ وہاں سلسلہ کلام اس بات تک پہنچا تھا کہ یہ مخالفین جس زندگی پر ریختے ہوئے ہیں یہ تو چند روزہ ہے، اصلی دولتِ جاہلانہ ان اہل ایمان کے لیے ہے جو اس دنیا کی چند روزہ زندگی کی جگہ آخرت کی کامرانیوں کے لیے بازی کھیل رہے ہیں۔ اس کے بعد چند آیات میں اہل ایمان کا کردار بیان ہوا تاکہ کلام مطابق حال ہو جائے اور اس وقت کے مسلمانوں پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ بشارت انہی کے لیے ہے۔ اور ان کے مخالفوں پر بھی واضح ہو جائے کہ آج جو لوگ ان کے ہاتھوں مظلوم ہیں اب ان کے لیے فتح باب کا وقت قریب ہے۔

اس کے بعد اوپر کے سلسلہ مضمون کو از سر نو لے لیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے تسلی دی کہ جو لوگ خدا کے قانون کی رد میں آئے ہوئے ہیں ان کو کوئی دوسرا ہدایت دینے والا نہیں بن سکتا۔ ان لوگوں کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب پانی سر سے گزر جائے گا۔ پھر آخری تنبیہ کے طور پر مخالفین کو یاد دہانی کی کہ اب بھی موقع ہے اگر سنبھلنا ہے تو سنبھل جاؤ۔ یہ وقت نکل گیا تو پھر کبھی واپس نہیں آئے گا۔ ساتھ ہی ان کے اصل سببِ غرور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ جس کو جو کچھ بھی ملتا ہے خدا ہی کی عنایت سے ملتا ہے

لیکن انسان بڑا ہی ناشکر ہے کہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو خدا ہی سے بغاوت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَرِيٍّ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَتَرَى
 الظَّالِمِينَ كَمَا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِنْ
 سَبِيلٍ ۗ (۴۳) وَتَرَهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعِينَ مِنَ الْإِنسَانِ
 يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخٰسِرِينَ
 الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَاهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ الْآلَاءُ
 الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۗ (۴۴) وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ
 يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ
 سَبِيلٍ ۗ (۴۵) اسْتَجِيبُوا لِلرَّبِّ كُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ
 لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۗ مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا
 لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ ۗ (۴۶) فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيظًا
 إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً
 فَحَرَ بِهَا ۗ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ
 فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ۗ (۴۷) لِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ
 يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَآثًا وَيَهَبُ لِمَنْ
 يَشَاءُ الذُّكُورَ ۗ (۴۸) أَوْ يَزْوِجُهُمْ ذُكْرًا وَآثًا ۗ وَيَجْعَلُ مَنْ
 يَشَاءُ عَقِيمًا ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۗ (۴۹)

اور جس کو خدا گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس کا کوئی کارساز نہیں بن سکتا اور

تم ان ظالموں کو دیکھو گے کہ جب وہ عذاب سے دوچار ہوں گے تو کہیں گے، ہے کوئی راہ دنیا میں پھر واپس جانے کی! اور تم ان کو دیکھو گے کہ وہ دوزخ کے سامنے اس طرح لائے جائیں گے کہ وہ ذلت سے جھکے ہوئے، کن انکھیوں سے دیکھتے ہوں گے، اور اہل ایمان کہیں گے کہ حقیقی خاسر وہی ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے لوگوں کو خسارے میں ڈالا! آگاہ کہ یہ ظالمین ایک دائمی عذاب میں پڑیں گے! اور وہاں ان کے اولیاء میں سے کوئی بھی نہیں ہوگا جو خدا کے مقابل میں ان کی کوئی مدد کر سکے۔ اور جس کو خدا گمراہ کر دے تو پھر اس کے لیے کوئی راہ نہیں ہے! ۴۴-۴۶

اور اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہو قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے ایک ایسا دن آدھکے جو ٹالانہ جاسکے گا۔ اس دن تمہارے لیے نہ کوئی پناہ ہوگی اور نہ تم کسی چیز کو رد کر سکو گے۔ ۴۷

اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے تم کو ان پر کوئی داروغہ نہیں مقرر کیا ہے۔ تمہارے اوپر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ اور انسان کو جب ہم اپنی کسی رحمت سے نوازتے ہیں تو اس پر اترنے لگتا ہے اور اگر اس کے اعمال کی پاداش میں اس کو کوئی افتاد پیش آجائے تو وہ ناشکر بن جاتا ہے۔ ۴۸

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کی ہے۔ وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں ملا کر ان کو بخشتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا

ہے۔ وہی علم رکھنے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ ۴۹-۵۰۔

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ قَرِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۖ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا كَادُوا
الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلِ (۴۴)

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح کے لیے اس سنت الہی کا حوالہ ہے جو اس نے ہدایت و ضلالت کے باب میں مقرر فرمائی ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ ان کی ضلالت پسندی کے سبب سے گمراہی کی راہ پر ڈال دیتا ہے وہ خدا کی توفیق بخشی سے محروم ہو جاتے ہیں اور جو خدا کی توفیق و دست گیری سے محروم ہو جائیں کوئی دوسرا ان کا کارساز نہیں بن سکتا۔ اب تم کتنا ہی زور لگاؤ لیکن جن پر خدا کی مار ہے وہ ہدایت کی راہ اختیار کرنے والے نہیں بنیں گے۔

’وَتَرَى الظَّالِمِينَ... الْأَيَّةُ‘ ظالمین سے مراد یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے گمراہی کے لیے چھوڑ دیا۔ ان کے لیے اس صفت کے استعمال سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ گمراہ کیے جانے کے مستحق اس وجہ سے قرار پائے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا، اس کی ہدایت کی قدر نہیں کی بلکہ آنکھیں بند کر کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفر و شرک میں مبتلا ہو کر اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے۔ فرمایا کہ یہ محروم القسمت لوگ آج تو اپنی روش پر بہت نازاں ہیں لیکن جب خدا کے عذاب سے دوچار ہوں گے تو بڑی حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ کیا دنیا کی طرف پلٹنے کی کوئی راہ اب بھی باقی ہے کہ وہاں جا کر وہ کچھ نیکی کی کمائی کریں کہ اس عذاب سے چھوٹ سکیں۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعَاتٍ مِّنَ السُّدَالِ يَنْظُرُونَ مِّنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ وَقَالَ
الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخٰسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ أَلَا
إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ (۴۵)

’يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا‘ میں ضمیر کا مرجع وہی عذاب ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔ چونکہ اس سے مراد دوزخ یا نار جہنم ہے اس وجہ سے ضمیر علی سبیل التاویل مؤنث آئی۔ اس طرح گویا لفظ ’عذاب‘ کے اجمال کی وضاحت ہو گئی۔ عربی زبان میں یہ اسلوب بہت معروف ہے۔

فرمایا کہ آج تو یہ لوگ اپنی کامیاب زندگی کے غرے میں اس عذاب کا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن جس دن یہ اس میں داخل کرنے کے لیے لے جائے جائیں گے تو ذلت سے اپنے سر نہوڑائے ہوئے

کن آنکھیوں سے اس کو دیکھ رہے ہوں گے۔ کوئی مجرم جب قتل کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اس کے اندر قتل اور جلاؤ کی تلوار کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہوتا لیکن وہ کن آنکھیوں سے دیکھتا ہے کہ کیا پیش آنے والا ہے۔

وَقَالَ السَّبَّانُ أَمِنُوا..... الآية فرمایا کہ وہاں ان کی ذلت و خواری اور تباہی کو دیکھ کر اہل ایمان حقیقی خسارہ پکاراٹھیں گے کہ بے شک حقیقی نامراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو قیامت کے دن خسارے آخرت کا میں ڈالا اور ساتھ ہی اپنے اہل و عیال اور متعلقین کو بھی اپنے دباؤ یا بد آموزی سے برگشتہ کر کے اس خسارے میں مبتلا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ناقبت اندیش لوگ تو اپنی کامیاب دنیوی زندگی کے غرے میں ہم کو دنیا میں خسارے میں سمجھتے رہے لیکن وہ کوئی خسارہ نہیں تھا۔ حقیقی خسارہ یہ قیامت کے دن کا خسارہ ہے جس میں یہ بد قسمت لوگ مبتلا ہوئے ہیں۔

الْآلَاءِ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقْتَدِرٍ۔ یہ وجہ بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں حقیقی خسارہ قیامت کے دن کا خسارہ ہے۔ فرمایا کہ آگاہ ہو کر سن لو! اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ ایک ابدی عذاب میں گرفتار ہوں گے جو کسی طرح ٹالا نہ جاسکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں تو دکھ ہو یا مسکھ بہر حال وہ عارضی ہے لیکن آخرت کا عذاب ابدی ہے اس وجہ سے حقیقی خسارہ ان لوگوں کا خسارہ ہے جو آخرت کے خسارہ سے دوچار ہوئے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُوهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ (۴۲)

مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ یہاں اللہ کے مقابل میں کے مفہوم میں آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب یہ لوگ اللہ کے عذاب کی گرفت میں آجائیں گے تو اپنے جن شرکاء اور حمایتیوں پر ان کو بڑا ناز ہے ان میں سے کوئی بھی اللہ کے مقابل میں ان کے کچھ کام نہ آسکے گا۔

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ؛ وہی مضمون جو اوپر آیت ۴۲ میں گزر چکا ہے، الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ، پھر آگیا ہے کہ، ان کی شامت اعمال کے سبب سے، اللہ نے ان کو گمراہی کے لیے چھوڑ دیا اور جن کو اللہ بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے ان کو کہیں بھی راہ نہیں ملتی، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

اَسْتَجِيبُوا لِدُعَائِكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ (۴۳)

مِنْ اللَّهِ، کا تعلق میرے نزدیک اَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ سے ہے اور لَا مَرَدَّ لَهُ، يَوْمٌ کی صفت ہے۔

یہ دعوت بطور زجر و تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ اب بھی وقت باقی ہے کہ اپنے رب کی دعوت قبول کر کے اپنی عاقبت سنوار لو۔ ورنہ یاد رکھو کہ جب تمہارے رب کی طرف سے وہ دن آجائے گا جو اٹل ہے تو اس وقت تمہارا اس کو قبول کرنا اور نہ کرنا دونوں یکساں ہوگا۔ اس دن نہ تمہارے لیے کوئی پناہ ہوگی اور نہ اس دن تم کسی چیز کو رد کر سکو گے۔ جو کچھ تمہارا سامنے آئے گا بے چون و چرا اس کے آگے مڑ جھکا دینا پڑے گا۔ 'نَسْکِبُوْا' کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے 'انکار کیا ہے لیکن اس کا صحیح مفہوم کسی ناگوار چیز کو احساسِ غیرت کے ساتھ رد یا دفع کرنا ہے۔ اس کی تحقیق اس کے محل میں ہو چکی ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَاِذْ رَسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَافِظًا ۙ اِنْ عَلَيْكَ ۙ اِلَّا الْبَلٰغُ ۙ وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مَنَارَ حَسَمَةٍ فَرِحَ بِهَا ۗ وَاِنْ لِّصِبْغِهِمْ سَيِّئَةٌ ۙ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيَهُمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ (۴۸)

یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ اگر یہ لوگ اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں تو فبہا، نہیں قبول کرتے تو تم ان کی مطلق پروا نہ کرو۔ ہم نے تم کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں مامور کیا ہے کہ تم لازماً ان کو یہ دعوت قبول ہی کرادو۔ تمہارے اوپر ذمہ داری صرف دعوت لوگوں تک پہنچانے کی ہے۔ بعینہ یہی مضمون پیچھے آیت ۶ میں بھی گزر چکا ہے۔

فَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مَنَارَ حَسَمَةٍ ۙ اذقنا انساں کو حسمت کی ذائقہ، یہ ان لوگوں کے سبب اعراض سے پردہ اٹھایا ہے کہ یہ تنگ ظرف اور ناشکرے لوگ ہیں۔ اس طرح کے انسانوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ جب ہم ان کو اپنی رحمت و نعمت سے نوازتے ہیں تو یہ ہمارے شکر گزار ہونے کے بجائے اترتے اور اڑتے ہیں اور اگر ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو ذرا کوئی اُفتاد پیش آجائے تو مایوس بے صبر اور ناشکرے بن جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے یہ توقع نہ رکھو کہ یہ کبھی صحیح راہ اختیار کریں گے۔ آج نعمت و رفاہیت حاصل ہے تو اس کا غور ان کے لیے حجاب بن گیا ہے اور اگر ذرا ہم ان کو اس عذاب کا مزہ چکھا دیں جس کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں تو مایوس ہو جائیں گے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَيَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۗ وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ اِنْسًا ۙ وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ الْكُوْدَةَ ۗ اُوَيُزَوِّجُهُمْ ذُكْرًا ۙ وَاُنثٰى ۙ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَآءُ عَقِيْمًا ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ (۴۹ - ۵۰)

یہ اس عقیدے کا بیان ہے جس سے محروم ہونے کے باعث ان لوگوں کے اندر یہ تنگ ظرفی اور ناشکری پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ اس حقیقت پر ایمان رکھتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ وہی جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو جو کچھ چاہتا ہے بخشتا ہے

تنگ ظرفی کا باعث

صحیح عقیدے سے

خود ہی ہے

تو اس حالت میں بتلا نہ ہوتے بلکہ نعمت پر اپنے رب کے شکر گزار ہوتے اور کوئی مصیبت پیش آتی تو اس پر صبر کرتے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ كَمَا بَدَأَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ وَإِلَىٰ رَبِّهِ الْمَصِيرُ ۚ
یہ خدا ہی ہے جو جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہی دیتا ہے اور جن کو چاہتا ہے بے اولاد ہی رکھتا ہے۔ وہی علم اور قدرت رکھنے والا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اپنے علم و قدرت کے مطابق کرتا ہے، کسی دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس وجہ سے بندوں کا فرض یہ ہے کہ تمام معاملات میں خدا ہی پر بھروسہ رکھیں۔ نہ کبھی مغرور ہوں، نہ کبھی مایوس اور نہ کبھی اس کے سوا کسی اور سے لو لگاؤں۔

۱۰۔ آگے کا مضمون۔ آیات: ۵۱-۵۴

آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں اور یہ خاتمہ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ پوری سورہ سے بحیثیت مجموعی بھی تعلق رکھتا ہے اور اوپر کے پیرے سے بھی اس کا نہایت واضح ربط ہے۔ قرآن کے اس اسلوب کی وضاحت جگہ جگہ کرتے آرہے ہیں کہ سورہ جس مضمون سے شروع ہوتی ہے بالعموم اسی مضمون کے کسی پہلو کی وضاحت پر ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سورہ میں بھی دیکھ لیجیے۔ اس کا آغاز کَذٰلِكَ يُوحٰی اِلَیْكَ وَ اِلٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ الاٰیة سے ہوا تھا۔ یعنی یہ قرآن اسی طرح کی وحی ہے جس طرح کی وحی اس سے پہلے اللہ تعالیٰ دوسرے نبیوں اور رسولوں پر نازل فرما چکا ہے۔ پھر مقصد اور ذریعہ دونوں کی یکسانی کی وضاحت فرمائی اور خاتمہ اس مضمون پر کیا جس سے آغاز فرمایا تھا۔ چنانچہ خاتمہ میں بھی تقریباً وہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو تمہید میں آئے ہیں فرمایا ہے: وَ كَذٰلِكَ اَوْحٰی اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اٰمُرٰنَا الاٰیة: یہ اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ پوری سورہ از اول تا آخر ایک وحدت ہے۔

اوپر کے پیرے سے اس کا تعلق یہ ہے کہ اس کا خاتمہ مخالفین کے سبب اعراض کے بیان پر ہوا ہے۔ ان کے اعراض کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ کہتے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ ان پر اپنا کلام نازل کرتا ہے تو آخر وہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا؟ ان کے اس اعتراض کا جواب ان آیات میں دیا اور آیات کی تفسیر سے واضح ہو جائے گا کہ یہ جواب نہایت جامع و مانع اور سکوت ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ
 أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ ۝۵۱
 وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي
 مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ
 مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ لِنَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ
 مُسْتَقِيمٍ ۝۵۲ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
 وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۝۵۳

آیات

۵۱-۵۳

۵۱

ترجمہ آیات

۵۱-۵۳

اور کسی بشر کی بھی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردے کی اوٹ سے یا بھیجے کسی فرشتہ کو پس وہ وحی کر دے اس کے اذن سے جو وہ چاہے۔ وہ بڑا ہی عالی مقام، بڑا ہی حکیم ہے اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف بھی وحی کی ہے ایک روح اپنے امر میں سے۔ نہ تم یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس کو ایک نور بنایا جس سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اور بے شک تم ایک سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کر رہے ہو۔ اس اللہ کے راستہ کی طرف جس کا ہی وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آگاہ! سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ۵۱-۵۳

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ

رَسُولًا فَيُوحِي بِأَذْنِهِ مَا يَشَاءُ طِرَانَهُ عَلَيَّ حَكِيمٌ (۵۱)

یہ جواب ہے مخالفین کے اس اعتراض یا مطالبہ کا جو قرآن میں جگہ جگہ مختلف اسلوبوں سے نقل ہوا ہے کہ كَذٰلِكَ يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اِذَا كُنَّا اِلَيْهِ اُمَّمًا (پنجمیہ سے) بات کرتا ہے، جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں، تو آخر وہ ہم سے رُو در رُو ہو کر بات کیوں نہیں کرتا، آخر ان کے ایسے کیا سرخا ایک اعتراض کے پر لگے ہوئے ہیں کہ ان کو تو وہ اپنے شرفِ خطاب سے نوازتا ہے اور ہم کو لائق التفات نہیں سمجھتا حالانکہ ہم عزت و جاہت میں ان سے کہیں بڑھ کر ہیں!

اس کے جواب میں فرمایا کہ کسی انسان کا یہ درجہ و مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے رُو در رُو ہو کر بات کرے۔ وہ بات کرتا ہے تو وحی کے ذریعہ سے بات کرتا ہے، یا پردے کی آڑ سے بات کرتا ہے یا اپنا کوئی ناصد یعنی فرشتہ بھیج دیتا ہے جو اس کے اذن سے، جو کچھ وہ چاہتا ہے، اس کے کسی بندے کی طرف، جس کو وہ اپنے خطاب و کلام کے لیے منتخب فرماتا ہے، وحی کر دیتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ عِندِ رَبِّهِ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتٰۤى (۵۲)

اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ خدا سے بالمشافہ کلام میں جو چیز مانع ہے وہ درحقیقت انسان کا اپنا ضعف اور اس کی اپنی نااہلیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی عالی مقام، ایسی با عظمت، اور ایسے زوار و تجلیات کا منظر ہے کہ کوئی بشر اس سے رُو در رُو ہونے کی تاب نہیں لاسکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پنجمیہ کی نسبت قرآن میں مذکور ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کی تو ان کو جواب ملا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ میری تجلی کی تاب پہاڑ بھی نہیں لاسکتے تو تم اس کا تحمل کس طرح کر سکو گے۔

رَالَّذِيْنَ اٰوَدَعْتَ اَوْ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يَرْسُلُ رَسُوْلًا فَيُوحِيۤ بِاٰذْنِهٖۭ مَا يَشَاءُ (۵۳)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اگر کسی سے خطاب کرتا ہے تو تین طریقوں سے خطاب کرتا ہے:

ایک طریقہ 'وحی' کا ہے۔ 'وحی' سے مراد دل میں بات ڈال دینے کے ہیں۔ اسی کو احادیث میں 'القاء فی السروع' یا 'نفث فی السروع' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے دل پر اپنا کلام القاء فرمادیتا ہے اور پیغمبر اس کو محفوظ کر لیتا ہے۔ الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ چیز مجر و فکر یا خیال کی شکل میں نہیں بلکہ کلام کی شکل میں نازل ہوتی ہے جس کو نبی سنتا بھی ہے، سمجھتا بھی ہے اور اس کو محفوظ بھی کر لیتا ہے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نبیوں سے اپنے کلام کا طریقہ بتایا ہے اس وجہ سے ہمارے نزدیک ان لوگوں کا خیال صحیح نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ وحی مجر و فکر کی شکل میں دل پر القاء ہوتی ہے جس کو الفاظ کا جامہ پیغمبر پہنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے

خطاب کی

مختلف شکلیں

’اَدْمِثْ دَدَايَ حَبَابٍ‘ دوہرا طریقہ یہ ہے کہ وہ پردے کی اوٹ سے بات کرتا ہے۔ یعنی نبی اللہ کا کلام اور اس کی آواز تو سنتا ہے لیکن اس کو دیکھتا نہیں۔ اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ کا کلام و خطاب ہے۔ تورات اور قرآن دونوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کی لیکن اس کو دیکھا نہیں اور قرآن میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی نبی سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کلام نہیں کیا۔ یہ شرف صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کو حاصل ہوا۔

’اَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآيَاتِهِ مَا يَشَاءُ‘۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی رسول یعنی فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پیغمبر کے دل پر اتار دیتا ہے، مثلاً سورہ بقرہ میں ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيلِ
فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ
بِإِذْنِ اللَّهِ (۹۰)

کہہ دو کہ جو جبریل کا دشمن ہے وہ اس بات کو یاد رکھے کہ جبریل نے اس قرآن کو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔

یہی بات سورہ نحل میں یوں ارشاد ہوئی ہے۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُّسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ (النحل: ۱۰۲)

کہہ دو اس قرآن کو روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے اتارا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام و خطاب کے تین طریقے ہیں۔ ان میں سے دو طریقے، جو اوپر مذکور ہوئے، اس اعتبار سے ایک مخصوص نوعیت کے حامل ہیں کہ ان میں کلام بلا واسطہ نبی پر نازل ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور نبی کے درمیان جبریل امین کا واسطہ نہیں ہوتا اور تیسرے میں جبریل امین واسطہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے دو طریقے — پہلا اور تیسرا — معروف طریقے ہیں۔ دوسرا طریقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خصوصیات میں سے ہے۔ کسی اور نبی کے منقطع، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہ چیز مذکور نہیں ہے۔ اگر الا قدم فلا قدم کے اصول کو سامنے رکھیے تو یہ بات بھی نکلتی ہے کہ پہلے طریقہ کو مرتبہ کے لحاظ سے اولیت حاصل ہے۔

یہاں صرف تین طریقے مذکور ہوئے ہیں اس لیے کہ جس سوال کو پیش نظر رکھ کر یہ آیت دارد ہوئی ہے اس کا جواب انہی تین صورتوں کے ذکر کا مقتضی تھا لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین طریقوں کے علاوہ دو اور طریقے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنے بعض ارادوں سے آگاہ فرماتا ہے۔

ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ بشری شکل میں مجسم ہو کر ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ

کا پیغام پہنچا دیتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوط اور حضرت مریم کے ان واقعات میں موجود ہے جو قرآن میں تفصیل سے مذکور ہوئے ہیں۔

دوسرا طریقہ رؤیا کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو جو کچھ مطلوب ہوتا ہے وہ رؤیا میں امر فرمادیتا یا مشاہدہ کرا دیتا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم رؤیا میں ہوا۔ غزوہ بدر سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے واقعات رؤیا میں مشاہدہ کرائے گئے۔ ایک نہایت اہم رؤیا کا ذکر سورہ نبی اسرائیل میں بھی گزر چکا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام و خطاب اور ایمان و اشارہ کے پانچ طریقے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست کلام کے سوا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخصوصات میں سے ہے، ان میں سے ہر طریقہ سے متبرک ہوئے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ حضرت موسیٰ کو بھی یہ شرف صرف ایک آدھ بار ہی حاصل ہوا باقی تو رات اسی طرح کی وحی ہے جس طرح کی وحی دوسرے صحیفے ہیں۔

‘إِنَّهُ عَلِيُّ حَكِيمٌ’ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفتوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایک اس کی عظمت و رفعت اور بالائری کو ظاہر کرتی ہے۔ دوسری اس کی حکمت اور اس حکمت کے لوازم — رحمت، عدل اور ہدایتِ خلق — کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ان دونوں کو جمع کرنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی بلند و بالا ہے کہ نہ اس کو کسی سے کلام کی ضرورت ہے اور نہ کوئی یہ درجہ و مرتبہ رکھتا ہے کہ اس سے ہم کلام ہو سکے لیکن اس عظمت و رفعت کے ساتھ وہ حکیم، عادل اور رحیم بھی ہے اس وجہ سے وہ خلق کی رہنمائی اور اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے ان کو اپنے خطاب و کلام سے بھی نوازتا ہے اور اس کے لیے اس نے وہ طریقے اختیار فرمائے جو اوپر مذکور ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے آگے بڑھ کر جو لوگ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ خدا ان میں سے ہر ایک سے رُو در رُو ہو کر بات کرے تو اس قسم کے لوگ نہ خدا کی عظمت سے آگاہ ہیں، نہ اپنی بے حقیقتی سے!! ایسے احمق لوگ اپنی اس رعوت ہی کے ہاتھوں ہلاک ہوں گے۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝
صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ تَصِيدُ الْاُمُورَ (۵۲-۵۳)

یہ خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ اسی معروف طریقہ وحی کے مطابق ہم نے تمہاری طرف بھی ایک رُوخ اتاری ہے۔ رُوخ سے مراد وحی ہے۔ وحی کو رُوخ سے تعبیر کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ یہ تمہارے لیے بھی حقیقی زندگی کا ذریعہ ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی جو اس کو

اپنا لیں۔ تمام آسمانی صحیفوں میں اللہ کے کلام والہام کے لیے یہ تعبیر موجود ہے اس لیے کہ بندوں کو حقیقی زندگی، جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے، روٹی سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ اس کلام والہام سے حاصل ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔

مِنْ أَمْرِنَا اس روح کی صفت کے طور پر، دفع و دخل مقدر کے لیے آیل ہے۔ یعنی توح اللہ تعالیٰ کے امور غیب میں سے ہے۔ اس کی حقیقت ثابت اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا وہ رسول جانتا ہے جس کو اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ ہر شخص اس کی حقیقت و کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے نہ تو ہر شخص کو اس کی کیفیت معلوم کرنے کے درپے ہونا چاہیے اور نہ اس بنیاد پر کسی عاقل کو اس کا انکار کرنا چاہیے کہ وہ اپنے اندر اس قسم کی کوئی چیز محسوس نہیں کرتا۔ جو شخص دردِ جگر کی لذت سے آشنا نہیں ہے اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دردِ جگر کے وجود ہی سے انکار کر دے۔ یہ مضمون

سورۃ نبی اسرائیل میں بھی گزر چکا ہے؛

وَلَيْسَ لَكَ عَنِ الرَّوحِ قَلِيلٌ
الرَّوحُ مِنْ أَمْرِنَا وَمَا أَوْتَيْنَاكَ مِنَ
الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (نبی اسرائیل: ۵۵)

اور یہ لوگ تم سے روح (وحی) کے متعلق سوال کرتے

ہیں۔ ان کو بتادو کہ روح میرے رب کے امر میں سے

ہے اور تم کو تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔

یہ چیز بیان ملحوظ رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے جب اپنی قوموں کے سامنے اس امر کا اظہار فرمایا کہ ان کے اوپر ان کے رب کی جانب سے ایک روح نازل ہوتی ہے تو نادانوں نے ان کا مذاق اڑایا کہ یہ روح کیا چیز ہے؛ آخر اس طرح کی کوئی چیز ہم اپنے اندر کیوں نہیں محسوس کرتے؛ اسی سوال کا جواب سورۃ نبی اسرائیل کی مذکورہ بالا آیت میں دیا گیا ہے اور اسی جواب کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں دُوحًا کے ساتھ مِنْ أَمْرِنَا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال ہو تو اس کو اثنائے کلام ہی میں جواب مل جائے۔

اس امر کا ایک اور اہم پہلو بھی ہے جس پر ان شاء اللہ ہم سورۃ دخان کی آیات ۴-۵

کے تحت اور سورۃ قدر میں بحث کریں گے۔

مَا كُنْتُمْ تَدْرُونَ مَا أَلَكْتُبُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ یہ اس روح کا فیضان بیان ہوا ہے کہ یہ اسی کی حیات بخشی ہے کہ تم پہلے کتاب و ایمان سے نا آشنا تھے، لیکن اس وحی کے نور سے اللہ نے تمہارے سینہ کو اس طرح جگمگا دیا کہ تم اس خلق کے اندر ایک چلنے پھرتے منارہ نور بن گئے اور اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس نور سے راہ یاب کر رہا ہے۔ جن کو چاہتا ہے، یعنی جن کے اندر اس نور سے اکتساب کی صلاحیت پاتا ہے۔ اللہ ان کو اس سے بہرہ و فرماتا ہے اس لیے کہ اللہ کا ہر چاہنا

اس کی حکمت اور اس کے عدل پر مبنی ہوتا ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ جس طرح منصب نبوت کا اہل ہر شخص نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے انہی کو منتخب فرماتا ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں اسی طرح اس نور کے حامل بھی وہی ہوتے ہیں جن کے اندر اس کی صلاحیت ہوتی ہے۔ گویا اس میں ان لوگوں کا جواب بھی ہے جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی کو (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اندر سے نبوت اور اپنے کلام و خطاب کے لیے کیوں منتخب فرمایا، ہمارے اوپر اس کی نظر کیوں نہ پڑی؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی بھی ہے کہ تم جو روشنی دکھا رہے ہو اس سے ہر شخص بہرہ یاب نہیں ہو سکتا، اس سے بہرہ یاب وہی ہوں گے جو اس کے اہل ٹھہریں گے، جو اس کے اہل نہیں ہیں ان کو یہ روشنی راہ دکھانے کے بجائے خیرہ کر کے چھوڑ دے گی۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ کتاب اور ایمان میں وہی نسبت ہے جو نسبت غالب اور روح کتاب اور ایمان میں ہے۔ کتاب، تمام تر ایمان کا مظہر اور بروز ہے۔ سادہ الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کتاب درحقیقت ایمان کے مقتضیات کا بیان ہے اس وجہ سے دونوں میں جسم و جان کا رابطہ ہے جہاں تک کتاب کا تعلق ہے اس سے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نا آشنا تھے اس لیے کہ آپ اتمی تھے لیکن ایمان سے نا آشنائی کی جو نفی کی گئی ہے یہ اس کی تفصیلات اور مقتضیات کے اعتبار سے ہے۔ یعنی آپ ایمان کے تمام لوازم و مقتضیات سے نا آشنا تھے ورنہ حضرات انبیاء علیہم السلام تو وحی سے پہلے بھی اپنی فطرتِ سلیم کی روشنی سے بہرہ ور ہوتے ہیں اس وجہ سے اجمالی ایمان ان کے اندر موجود ہوتا ہے جو وحی کی روشنی سے جگمگا کر آفتاب کی طرح ایک عالم کو منور کر دیتا ہے۔ فطرت کی روشنی اور وحی کی روشنی میں نسبت چونکہ ذرہ اور آفتاب کی ہے اس وجہ سے ان کے مقابل میں اس کی نفی کی گئی ہے لیکن ہے وہ اسی آفتابِ تاباں کا ایک ذرہ اور وہی لوگ نورِ نبوت سے اکتساب بھی کرتے ہیں جو اس ذرہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو اس سے محروم کر لیتے ہیں وہ نبی کے انوار سے محروم ہی رہتے ہیں۔

استاذانم یہاں ایمان سے حکمت مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایمان، قول، عمل اور حال تینوں کا مجموعہ ہے اور یہی حقیقت حکمت کی بھی ہے اس وجہ سے یہ جو فرمایا کہ تم کتاب اور ایمان سے نا آشنا تھے تو دوسرے الفاظ میں گویا یہ فرمایا کہ تم کتاب اور حکمت سے نا آشنا تھے۔ گویا ایمان کے لفظ سے یہاں حکمت کی تفسیر فرمادی گئی۔

وَإِنَّكَ لَمَقْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ..... الآية۔ یہ اس نور کی برکت خلاق کے اعتبار سے بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نور سے تم کو جو فیض یاب کیا تو تم جو ایک اتمی تھے اب

لوگوں کی رہنمائی اس اللہ کی سیدھی راہ کی طرف کر رہے ہو جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ لوگوں کو اگر عاقبت کی فلاح مطلوب ہے تو چاہیے کہ تمہاری رہنمائی کی قدر کریں۔

’الَّا اِنِّیْ اللّٰهُ تَصَدِّقُ الْاُمُوْدُ‘۔ یہ آخر میں لوگوں کو بتیہ ہے کہ اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ جس خدا کا سب کچھ ہے اس کی طرف سارے معاملات لوٹیں گے بھی۔ اس وجہ سے اس کے آگے پیشی اور جواب دہی کے لیے تیار رہو۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِّیْ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

رحمان آباد

۱۲۔ دسمبر ۱۹۶۵ء

۸۔ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ